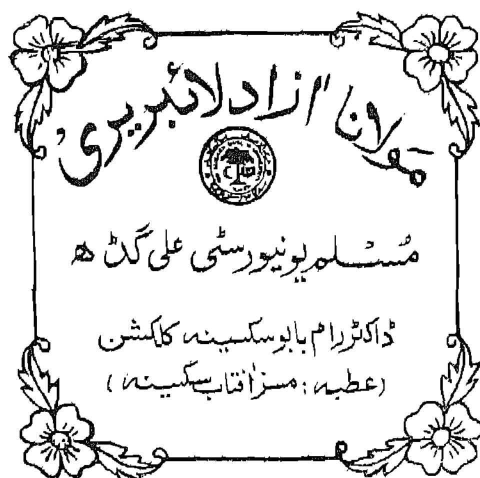


U 32204

title - Aasi

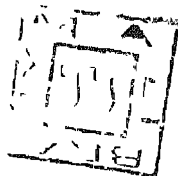
creator - Abdul Aleem Aasi; Murattiba Sayyed Mohammad Yameen

Publisher - Public Press (Ghazipur)

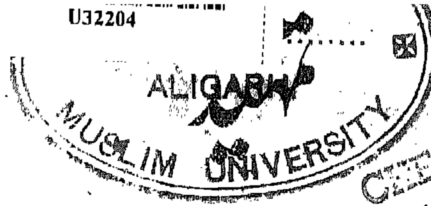
Date - 1925

Pages - 12, 64, 92

subjects - Urdu Shayari - Kulliyaat-O-Dawaween; Aasi; Abdul Aleem - Sawanch-O-Tanqeed.







مجھے یہ فخر حاصل ہے کہ میں مدتوں حضرت مولانا کے حضور میں حاضر رہا گو براہ راست شرف خدمت نہ تھا لیکن جدی مولوی محمد عثمان صاحب مرحوم کی معیت میں صدہا بار خانقاہ رشیدی میں حاضر ہوتا رہا، اور خود دہن مبارک سے متعدد اشعار سنے جب کوئی دیوان کی طباعت پر اصرار کرتا تو فرماتے کہ نظر ثانی کر لوں۔ جدی مولوی محمد عثمان صاحب مرحوم بالالتزام حضرت مولانا سے اصرار فرما کر غزلیں سنتے اور انہیں بیاض میں محفوظ رکھتے، گو میں اوس زمانہ میں بہت چھوٹا تھا لیکن مجھے حضرت مولانا کے کلام سے ایک فطرتی مناسبت تھی۔ شاید یہی وہ عقیدت تھی جسے دیکھ کر مولوی محمد عثمان صاحب مرحوم نے مجھے اپنی خاص بیاض سے غزلوں کے نقل کی اجازت عطا فرمائی۔ موجودہ ہدیہ اوس بیاض کی صحیح نقل ہے۔

میں نے اپنے زمانہ قیام الہ آباد میں حضرت مولانا کی وصال پر ملال کی جانکاہ خبر سنی اس سلسلہ میں ایک واقعہ خاص طور پر قابل الذکر ہے میں نے ایک شب یہ خواب دیکھا کہ میں حضرت مولانا سے شرف بیعت حاصل کر رہا ہوں۔ صبح ہوئی

اور حادثہ المناک کی خبر سنی میں متعجب تھا کہ آخر اس خواب کی تعبیر کیا ہوگی!

حضرت مولانا کا دیوان ۱۳۴۸ھ میں گورکھپور سے شائع ہوا، اس دیوان نے گو عوام کی منتظر طبیعتوں کو کسی حد تک مطمئن ضرور کر دیا لیکن خاصان بارگاہ آسی کی بےچین طبیعتیں پھر بھی عمدہ تر کاوش کی منتظر رہیں۔ مولانا سبحان اللہ صاحب رئیس گورکھپوری کے پاس مولانا کے کلام کا بہترین ذخیرہ ہے جس کی طباعت میں وہ کوشاں ہیں، خدا کرے کہ وہ جلد طبع ہو۔

گو ایک دیوان طبع ہو چکا تھا، اور دوسرے کی امید تھی، با ایں ہمہ میری عقیدت مند طبیعت اس امر پر مصر تھی کہ میں حضرت مولانا کے دیوان کو انوکھی ترتیبوں سے مرتب کروں، اور اس کی ابتدا میں ایک ایسا مبسوط مقدمہ رکھوں جو مولانا کی شاعری کا دنیا سے صحیح تعارف کرا دے۔

خدا کا شکر ہے کہ میں کامیاب ہوا، اور

ہاشمی اُس خواب کی شاید یہی تعبیر ہے۔

میں اس ایڈیشن میں مولانا کی سوانح پر روشنی نہ ڈال سکا، انشاء اللہ دوسرے ایڈیشن میں جو اس سے ہر صورت میں بہتر ہوگا، اس کمی کو پورا کروں گا۔

غازی پور، نومبر ۱۹۴۵ء — سید یامین ہاشمی

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

مختصر سوانح حضرت مولانا شاہ عبدالعلیم صاحب آسی قدس سرہ

۱	نام مبارک	حضرت مولینا شاہ عبدالعلیم صاحب (رحمۃ اللہ علیہ)
۲	والد ماجد کا نام	مولانا قنبر حسین صاحب مرحوم مغفور
۳	آبائی وطن	موضع سکندرپور ضلع بلیا
۴	تاریخ و سنہ پیدائش	۱۴ شعبان سنہ ۱۲۵۰ھ
۵	مقام پیدائش	سکندرپور ضلع بلیا
۶	تربیت کہاں پائی	ابتداً قاضی پورہ بعدہ سکندرپور
۷	تحصیل علم	مولانا عبدالحلیم صاحب فرنگی محلی سے کتب درسیات ختم کیا۔
۸	بیعت	حضرت شاہ غلام معین الدین صاحب حیدری رشیدی قدس سرہ سے سلسلہ قادریہ اتحادیہ میں تھی۔

۹	تخلص	آسی
۱۰	تلمذ	ابتدائی غزلیں شاہ افضل صاحب الہ آبادی و ناسخ لکھنوی کو دکھلائی تھیں
۱۱	شادی کہاں اور کس خاندان میں ہوئی	نورالدین پورہ۔ جناب منشی راحت علی صاحب مرحوم کے دختر سے شادی ہوئی۔
۱۲	تاریخ و سنہ و وقت وصال	۲ جمادی الاول ۱۳۳۵ھ ایک بجکر ۲۵ منٹ بوقت دن
۱۳	مدفن	محلہ نورالدین پورہ شہر غازی پور (یوپی)
۱۴	مخصوص پس ماندگان کے نام	(غازی پور) جناب غوث بی بی صاحبہ نواسی۔ جناب مولوی بدرالحق صاحب (سکندرپور)۔ مولانا محمد احمد صاحب امین۔ مولانا نورالعینین صاحب



نقشۂ مزار مبارک حضرت مولانا شاہ عبدالعلیم صاحب آسیؔ رحمۃ اللہ علیہ
محلہ نورالدین پور شہر غازی پور

(پبلک پریس غازی پور)

فہرست مضامین

صفحہ	عنوان
۶۷	(۱) - تمہید
۷۲	(۲) - دنیا کی بے ثباتی
۷۳	(۳) - توکل
۷۶	(۴) - وقت کی قدر و محبت
	(س)
۷۸	مولینا آسی کی شاعری پر ایک فلسفیانہ نظر
۷۸	(۱) - تمہید
۸۲	(۲) - ذات باری
۸۵	(۳) - فلسفۂ رسالت
۸۶	(۴) - فلسفۂ زیست
۹۱	(ص) نمونہ کلام
	غزلیات
	رباعیات
	شرح



بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت آسی

مشہور ہے کہ حضرت شاہ عبدالعلیم صاحب قدس سرہٗ و برہانہٗ ابتدا میں عاصی تخلص فرماتے تھے، لیکن افسوس ہے کہ حضرت مولانا کا ابتدائی کلام ہمارے پاس موجود نہیں ورنہ اس روایت کی تصدیق ہو جاتی۔

حضرت مولینا کو ابتدا ہی سے شعر و شاعری کا شوق تھا لیکن آپکی ابتدائی شاعری بھی اون لغویات سے پاک تھی جو عموماً مبتدیوں میں پائی جاتی ہیں۔ خوش قسمتی سے آپکی سب سے پہلی غزل کا ایک شعر اب تک حضرت مولانا کے خدام کی زبانوں پر جاری ہے ؎

تجھ پہ ظاہر یہ مرا عشق نہاں تھا یا نہ تھا!

جو چھپا سب سے تھا تجھ پہ وہ عیاں تھا یا نہ تھا!

یوں ممکن ہے کہ آسی نے اپنے احباب سے مشورہ سخن لیا ہو لیکن سب سے پہلے جس شخص کو غزل دکھائی وہ حضرت افضل الہ آبادی تھے حضرت افضل ناسخ کے ارشد تلامذہ میں تھے اور دائرہ شاہ اجمل میں مدتوں اسکی صحبت کا لطف اٹھاتے رہے۔ حضرت آسی نے اپنی پہلی غزل انہیں کو دکھائی اس غزل کے چند اشعار تبرکاً ہدیہ ناظرین ہیں۔

قربان ہوں جس پر وہ جوانان عرب کے — مکی مدنی ہاشمی مطلبی ہے

دل ہے کہ شہید خم ابروئے نبی ہے — گردن ہے کہ ہر دم تہ تیغ عربی ہے

نازک بدنی سے کوئی غنچہ ابھی کیا ہے — کیا کہیئے لطافت تری کیا بوالعجبی ہے

اس غزل کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا کے دل میں عشق رسول کی موجیں ابتدا ہی سے لہریں لے رہی تھیں حضرت افضل الہ آبادی نے صرف چند غزلوں کے دیکھنے کے بعد فرمادیا کہ اب کسی مشورے کی ضرورت نہیں۔

حضرت آسی [illegible] مشورہ ختم ہو گیا، بانیٔ مدرسہ مولانا سبحان اللہ صاحب

رئیس گورکھپور کے پاس حضرت کا کسیقدر ابتدائی کلام موجود ہے۔

حضرت آسی کی زندگی کا زیادہ حصہ غازیپور میں بسر ہوا، اور اسی باعث ہم کہہ سکتے ہیں کہ اونکی شاعری کا جولان گاہ بھی غازیپور ہی رہا۔ مولانا کی شاعری کو غازیپور کی سرزمین سے ایک خاص خصوصیت ہونیکی وجہ یہ تھی کہ اوس زمانہ میں وہاں شعر وسخن کا چرچا بیحد تھا۔ حضرت کاشف مع اپنے تلامذہ کے ایک خاص رنگ بیان کے موجد ہو رہے تھے۔ شمشاد لکھنوی اور شاد سلیم پوری کے ایسے ذہین اور طباع اصحاب علیحدہ اپنے کلام سے لوگوں کو محظوظ کرتے تھے۔ یہ سب کچھ تھا لیکن بزم سخن میں جائے استاد خالی تھی۔ میدان سخن میں حضرت آسی کی تشریف آوری نے سبکو کھینچکر اون کی جانب متوجہ کردیا۔ ہم عمر مشورہ لینے لگے اور نوجوان زمرۂ تلامذہ میں داخل ہو گئے۔

حضرت کاشف میں اور حضرت آسی میں بہت زیادہ ربط و اتحاد تھا باوجود ہمعصر آپس میں مشورۂ سخن بھی لیتے رہے۔ مشاعرہ میں دونوں اصحاب ساتھ شرکت فرماتے تھے، مشاعرہ کی چند غزلیں ابتک موجود ہیں۔ حضرت کاشف

شبنم کے قطرے ڈولچیاں بھر کے لائی ہیں　　ہوگا نماز صبح میں تازہ وضوئے گل

تلامذہ۔ حضرت آسی بہت کم کسی شخص کی غزلوں پر اصلاح دیتے تھے اور اسی باعث اون کے تلامذہ کی تعداد بھی بہت کم ہے، لیکن ایک اہل نظر یہ لکھے بغیر نہیں رہ سکتا کہ جس نے خود کو حضرت مولانا کے تلامذہ میں شامل کیا وہ چند ہی دنوں بعد اوستاد کہے جانیکا مستحق ہو گیا۔ حضرت آسی کے خاص شاگردوں میں حسب ذیل اصحاب ہیں۔

۱۔ حضرت شمشاد لکھنوی
۲۔ مولوی علی حسن صاحب احسن
۳۔ حکیم سید محمد صاحب شاد سلیم پوری
۴۔ مولوی عثمان صاحب وکیل فدائی جونپوری
۵۔ مولوی عبدالصمد صاحب وکیل غازی پوری
۶۔ حافظ محمد فرید صاحب
۷۔ جناب ذاکر حسین صاحب انجم
۸۔ شیخ محمد حسن صاحب
۹۔ حکیم سید محمد سعید صاحب قیس

حضرت شمشاد سے مولانا آسی کو خاص تعلق تھا، حضرت کاشف کے وصال کے بعد شمشاد۔ فدائی اور شاد کے علاوہ بہت کم کسی شخص کو مولانا آسی اپنے اشعار سناتے تھے۔ حضرت شمشاد کی سخن سنجی کی اکثر تعریف فرماتے رہے ؎

شمشاد سے آسی کے عجب نکتے اٹھے یہ
اپنی ہستی سے خبر کچھ نہ پیدا کے کی خبر ہے

حکیم سیّد محمّد صاحب شاد (مرحوم مغفور) کی ذہانت کا بارہا تذکرہ فرماتے رہے، حکیم محمّد جعفر صاحب کاشف کے بعد حکیم سید محمد صاحب ہی کی طرف وقت ضرورت رجوع فرماتے رہے۔ شاد فرماتے ہیں۔

تمہارا ہر سخن اک جلوہ گاہ فیض آسی ہے
بھلا آسان تھا یہ نکتۂ شاد اپنی لیاقت سے

حضرت فدائی کی جانب بھی خاص توجہ فرماتے رہے، چنانچہ اپنے دیوان کا معتدبہ حصّہ اونہوں نے حضرت فدائی کی زیر نگرانی مرتب کرایا تھا۔ راقم الحروف کو اکثر مولوی عثمان صاحب کے ساتھ حضرت مولینا کی خدمت مین حاضر ہونے کا اتفاق ہوا۔ مولوی عثمان صاحب کو دیکھکر حضرت مولانا اکثر فرماتے، "میان عثمان! رات مین نے ایک غزل لکھی ہے، اوسے بھائی تم لکھکر محفوظ کر لو ورنہ ضایع ہو جائے گی۔"

حضرت فدائی کو مولانا آسی کی وہ غزل بہت پسند تھی جسکا یہ شعر بہت مشہور ہے

شعر | عمر اپنی رواں ہے تو اقامت سے سروکار
سمجھے اگر انسان تو دن رات سفر ہے

حضرت فدائی نے اسی زمین مین ایک ... ... حضرت مولینا کی خدمت

میں حاضر ہو کر سنائی گھر کا قافیہ کیا خوب بندھا ہے۔

اس لق ودق فقیری میں نہ کچھ مال نہ زر ہے
بس اک دل آگاہ جو اللہ کا گھر ہے
اس راہ کا رہرو ہوں خضر جس میں ہے گمراہ
جز منزل مقصود حذر ہے نہ سفر ہے

آخر الذکر شعر سنکر حضرت مولانا نے بیحد تعریف کی۔

اب تک ہم نے مولینا کی ابتدائی شاعری اور ان کی تلامذہ کے مختصر حالات بیان کئے، اب ہم مولانا کی خصوصیات شاعری کا تھوڑا سا ذکر کر دینا چاہتے ہیں۔ بقول ٹیگور ایک ظاہر بیں عمدہ کلام کا یہی معیار قرار دیتا ہے کہ اس میں صنائع وبدائع کافی ہوں، الفاظ چٹپٹے ہوں، محاورہ روزمرہ کے درج ہوں، لیکن ایک معنی شناس کے نزدیک خوبی کلام کا کچھ اور ہی معیار ہے، اوس کے پاس تو دوسری ہی کسوٹی ہے جس پر وہ زر سخن کو جانچتا ہے۔

ٹیگور کا خیال بہت صحیح ہے لیکن دنیا میں ظاہر بینوں کی تعداد بہت زیادہ اور اسی لئے ہم نے آسی کے کلام کی معنوی خوبیوں کے بیان پر اکتفا نہ کی بلکہ یہ بھی مناسب سمجھا کہ اونکے کلام معجز نظام کے ظاہری محاسن بھی لوگوں پر واضح

ہو جائیں۔

شعار شاعری، دنیا نے اس اصول کو تسلیم کر لیا ہے کہ ہر شخص ایک خاص شعار رکھتا ہے جسکے مطابق اُس کے تمام اقوال و افعال سرزد ہوتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں۔ اُسے ایک قسم کا دستور العمل کہئے کوئی ضرور نہیں کہ ایک ہی دستور العمل ہر شعبۂ زندگی میں یکساں کارآمد ہو۔ زندگی کا دستور العمل کچھ اور ہے، محبت کا ماٹو دوسرا ہے، کاروبار میں ایک تیسرا اصول ہے۔ غرض زندگی کی ہر شاخ ایک جداگانہ دستور العمل رکھتی ہے اور اُسی دستور العمل کے مطابق اوس شعبۂ زندگی کے تمام افعال سرزد ہوتے ہیں۔ یہ بھی کوئی ضرور نہیں کہ ہم اپنا شعار بہ بانگ دہل اعلان کر دیں اور اُس کی تشہیر ہو جائے۔ اکثر ہمارے افعال و حرکات ہمارے شعار کا پتہ دیتے ہیں۔ اور بارہا ہماری زندگی ایک خاص اصول زیست مقرر کر دیتی ہے۔ مشاہیر قدیم میں اکثروں نے اپنا دستور العمل بنا لیا تھا، بادشاہوں اور فوجی افسروں میں تو یہ عام بات ہے، لیکن مصنفین میں (الا ماشاءاللہ) اسکا رواج بہت کم پایا جاتا ہے، مغربی مصنفین میں تو پھر بھی ایک کثیر تعداد اپنا دستور العمل رکھتی ہے مگر فارسی میں سوائے مولانا روم اور سعدی کوئی شخص اسکا دعویدار نہیں ہو سکتا۔

اُردو میں غالب پہلا شخص ہے جسنے برسوں پہلے اپنی شاعری کا ایک اصول بنا دیا ہے ؎

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے شیشہ و ساغر کہے بغیر

حضرت آسی غالب کے ہم خیال ہیں۔ لیکن اُنہوں نے اپنے اس اصول کو نہایت واضح طور پر بتا دیا ہے۔

اگر بیانِ حقیقت نہ ہو مجاز کیساتھ
تو شعر لغو ہے آسی کلام ناکارہ

محاسن کلام

اندازِ بیان۔ آسی ایک نئے انداز و بیان کے موجد ہیں، الفاظ تھوڑے لیکن معانی بہت زیادہ غرض اشعار کیا ہیں کوزہ میں دریا کو بند کر رکھا ہے۔

دردِ دل لطف زندگانی ہے　　　غم سبب عیش جاودانی کا

اشکوں نے تا بہ گلو اک دہ چکر باندھا　　　حلقۂ جیب مرا حلقۂ گرداب ہوا

تلمیحات ۔ انسانی نسلیں ہمیشہ اپنے اصحاب سلف کی یاد میں مصروف رہتی ہیں ۔ رفتگان ماضی کے کارنامے، اونکی خصوصیات، اونکی طرز عمل کچھ ایسے نہیں کہ کوئی آسانی سے بھلا دے ۔ علم تاریخ ان یادوں کو تازہ کرنے کیلئے مخصوص کردی گئی ہے لیکن دوسرے علوم بھی ان سے خالی نہیں ۔ تاریخ اگر سکندر اور حضرت عمر ایسے جلیل القدر شہنشاہوں کی یاد میں رطب اللسان ہے تو علم شاعری حضرت موسیٰ، جناب قیس، فرہاد ایسے عشاق کے کارناموں سے پر ہے۔

بقول شاعر تلمیحات شاعری میں ایک قسم کا نمک پیدا کر دیتی ہیں۔ رہبران منزل عشق کے کارنامے دل میں ہیجان پیدا کرتے ہیں ۔ اور ہمارے قدم نمونہ کو سامنے رکھتے ہوئے نہایت سرعت سے منزل مقصود کی جانب بڑھتے ہیں۔

اساتذہ نے تلمیحات کی تین قسمیں کی ہیں۔

(۱) وہ جنکا تعلق مذہبی عقائد اور قصص کے ساتھ ہے۔

(۲) وہ جنکا تعلق تاریخ کے ساتھ ہو یا کسی خاص رسم و رواج سے تعلق ہو

(۳) وہ جو بطور قصہ زبان زد خلائق ہیں لیکن تصنیف ان کے ماخذ کی …

آخرالذکر اُردو کلام میں بہت کم پائی جاتی ہے، مثنوی گلزار نسیم اور مثنوی میر حسن اون کی مثال ہین اوّل اور دوم کا اُردو و نیز فارسی مین خاص رواج ہے۔ صنعت تلمیح کی بابت ہم نے مقدمہ دیوان ناصر علی مین مفصل بحث کی ہے لیکن یہان اس قدر بتا دینا ضروری ہے کہ صنعت تلمیح کا استعمال نہایت مشکل ہے، بڑے بڑے اساتذہ اس مین لغزش کھا گئے ہین تلمیح طلب واقعات نہ اس طرح بیان ہونا چاہین کہ شعر ایک خاصہ تاریخی واقعہ ہو جائے اور نہ ایسا ہو کہ معمہ کی صورت اختیار کرلے۔ اشارہ نہایت نازک ہو، ذکر بہت ایمائی ہو،

غالب کو تلمیحات کے استعمال مین کمال ہے۔

ہمنے مجنون پہ لڑکپن مین اسد سنگ اُوٹھایا تھا کہ سر یاد آیا

حضرت آسی بھی تلمیحات کے استعمال مین خاص ملکہ رکھتے ہین۔

۱ جو نہ لوٹے آسمانون سے اوٹھالین ہم وہ بوجھ
کیا وہ قوت سیر مین تھی کیا زور وہ گردن مین تھا

۲ عشق مین اسے کوہکن کیا زخم سر درکار تھا
زخمِ دل درکار تھا زخمِ جگر درکار تھا

۳ ہائے وہ جلوہ وہ انداز ہجوم اہل دید
ایک موسیٰ زار گویا دل کے ہر ذرہ میں تھا

موسیقی۔ شاعری اور موسیقی میں ایک خاص مناسبت ہے بعض مغربی اہل نظر تو یہاں تک کہتے ہیں کہ شاعری اور موسیقی مترادف الفاظ ہیں اور شاعری بغیر موسیقی اور موسیقی بغیر شاعری بے معنی شے ہے۔ قاآنی موسم بہار کی تصویر یوں کھینچتا ہے:

"نرمک نرمک نسیم زیر گلان می خزد و غبغب این می گزد دامن آن
می گزد گہ بچمن می چمد گہ بچمن می وزد گاہ بشاخ درخت گہ بہ لب جویبار

غالب کو بھی کمال ہے ؎

رات کے وقت مے پیے ساتھ رقیب کو لیے
آئے وہ یاں خدا کرے پر نہ کرے خدا کہ یوں

ناصر علی ؎

دیدن و نہ خود رفتن طرز آشناہا ست
پیش آن صنم بودن عالم جدا گہاست

آسی کے اشعار کسی اور ہی قسم کی موسیقی پیش کرتے ہیں۔ بقول ٹیگور

زنجیر شعر کے ہر حلقے اپنے نازک ہاتھوں کو ایک دوسرے کی گردنوں میں ڈالے ہوئے مست جھومتے ہیں۔ الفاظ رقصاں ہیں۔ جیسے جھومتے ہیں شعر سنئے تو معلوم ہوتا ہے کہ مخفی قدرت ان الفاظ کے پردے میں آتی کی زبان سے کوئی خاص پیغام بھیج رہا ہے

ٹھہرے ہیں ہمیں حسن کے عشق سے ایسی بیمار کا
چوٹ ہے ہمیں عشق کی حسن سے تیر یار کا

جو حشر میں بھیڑ کی ہے وہ حسن تو کا ہجوم ہوگا
وہ داغ ہوگا کسی کے دل کا جو چمکے گا آفتاب ہو کر

دل مبتلا ہے ترا ہی گھر اسے رہنے دے کہ خراب ہے
کوئی مری طرح نہ سمجھے مگر نہ سکے کہ خانہ خراب ہے
انہیں کبر حسن کی نخوتیں مجھے فیض عشق کی حیرتیں
نہ کلام ہے نہ پیام ہے نہ سوال ہے نہ جواب ہے

فطرتی شاعری

بعض نے شاعری کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے
وہ شاعری فطرتی جذبات کے اظہار کا نام ہے
وہ شخص جو اپنی طبیعت پر زور ڈال کر خیالات پیدا کرتا ہے وہ شاعر نہیں ہے
تو ناظم ہے اشعار وہی ہیں جو الہام الٰہی کا شعبہ ہو۔
شعرا اور سخن گو یقیناً پیغمبر نہیں
روح القدس سے پاک کردہ گیا ہے
مولانا آسی شاعر ہیں اور اصلی معنوں میں شاعر ہیں۔ کون سے دیوان کے شعر کو انسانی دماغ کا نتیجہ کہا جا سکتا ہے۔

اضطراب شوق [illegible] آگاہی دل آرزو
[illegible] اضطراب

نظم

شاعری کو شرم آتی ہے شعر شاعری [illegible]
[illegible]

حضرت آسی اور تعلیم قرآن

جلال الدین رومیؒ کی مثنوی کو اگر یہ حق حاصل تھا کہ دنیائے اسلام اوسے قرآن کریم کا فارسی ترجمہ بتائے، تو دیوان آسی کلام الٰہی کا ایک اُردو ترجمہ کہلائے جانیکا اوسی طرح مستحق ہے۔ آج سے تیرہ سو برس پہلے فاران کی چوٹیون پر جو نغمہ اس سازِ زندگی کے تارون مین بیدار موجود تھا آج وہی گوش آشنا نغمات سکندرپور کے کھنڈرون سے نیم خوابیدہ اُوٹھے ہین۔

ابتدائے اسلام سے اسوقت تک علماء کو ہمیشہ اس بات کا خیال رہا کہ اونکی تمام تصانیف مین کلام الٰہی کی تعلیم و تلقین کا اعادہ ہوتا رہے۔ قرآن مبین اون کے سارے علمی مشاغل کا مرکز رہا علم المعیشت ہو یا علم ہندسہ۔ یا علم النفس ہو یا فلسفہ غرض کوئی ایسا مضمون نہ تھا جسکی درس و تدریس مین وہ فرقان حمید کی تعلیم ملحوظ خاطر نہ رکھتے۔

ولقد ضربنا للناس فی هذا القرآن من کل مثل لعلهم یتذکرون (قرآن حمید) اور ہم نے لوگون کو سمجھانے کیلئے سبھی طرح کی مثالین (علوم) بیان کی ہین تاکہ یہ لوگ نصیحت پکڑین

اونکا خیال تھا اور صحیح خیال تھا کہ جس دن مسلمان قرآن پاک کی تعلیم سے بےخبر

ہوجائینگے اُسی دن اونکا زوال لازمی ہے۔ یہی وہ خوف تھا جسکی باعث طلبا مکتب کے ابتدائی درجون سے لیکر تکمیل تک ہمیشہ ایسی ہی کتابین پڑھائے جاتے تھے جو اونھین قرآن کی تعلیم سے ہمیشہ واقف رکھے۔

نئے ممالک فتح ہوئے نئی تعلیم ونذہب سے سابقہ پڑا، مادہ پرستی نے اپنا سکہ جمایا اور مسلمان قرآن کی سیدھی سادھی تعلیم باسانی بھلا بیٹھے۔ خدا پرستی کی جگہ عیش پرستی ہونے لگی۔ عشق ومحبت کی دلبستگیون نے شاعری کا مذاق پیدا کیا۔ لوازمات تعیش کے ساتھ سامان شاعری مین بھی ترقی ہوتی گئی۔ شعر وشاعری کے انہاک نے جذبات مین لطافت پیدا کی محسوسات ذکی الحس ہونے لگی "آوازین رنگین معلوم ہونے لگین اور رنگ مین نغمہ پیدا ہونے لگا"

مصلحان قوم نے جو یہ حالت دیکھی تو اونکے کان کھڑے ہوئے۔ اصلاح کا اوس وقت خیال آیا جب قوم مین صلاحیت نابود ہوچکی تھی مسلمان قرآن اور اوس کی تعلیم کو مدتون سے بھولے بیٹھے تھے نماز روزہ کی تعلیم دینے والے زاہد خشک کا لقب پاچکے تھے ایسی حالت مین پرانا طرز تعلیم بے سود تھا اسلئے نئے طریقہ تلقین کی تلاش ہوئی۔

ہم بیان کرچکے ہین کہ شاعری نے زندگی کے مشاغل مین کافی دخل پالیا تھا

اور جو اس تاثیر پذیر ہوتے تھے بجز شاعری کوئی دوسرا ذریعہ جذبات کے ابھارنے کا نہ تھا اس لئے مجبوراً ان نیک بندوں نے شاعری ہی کو تعلیم و تلقین کا ذریعہ بنایا۔ تعلیم اخلاق بھی ہے تو شاعری کے ذریعہ سے۔ اگر خدا اور رسول کے احکام کی بھی تلقین ہے تو شاعری ہی کی زبان میں۔

اس وادی کے امام حکیم سنائی۔ خواجہ فریدالدین عطار اور جلال الدین رومی ہیں۔ جلال الدین نے تو شاعری کا رنگ ہی بدل دیا۔ پیر مرشد کامل ہوگیا اور شراب ناب کے عوض بادہ وحدت کے دور چلنے لگے شاعری کی محبت آمیز زبان میں قرآن حکیم کے احکام کی تلقین ہونے لگی۔ جلال الدین رومی سے

بہر این فرمود رحمان ای پسر ۔ کل یوم ہو فی شان ای پسر

عطار اور رومی کی شاعری سے فارسی نظم کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے مذکورہ بالا چھوٹی سی تمہید کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اگر ہم اردو شاعری اور ہندوستان کے مسلمانوں کی حالت پر غور کرتے ہیں۔ تو ہمیں ایک عجیب و غریب مناسبت معلوم ہوتی ہے۔ جس طرح شاہان ایران و غزنی کی خوشامد پسند طبیعتوں نے قصیدہ کو شاعری کی خاص صنف بنا رکھی تھی اسی طرح ہندوستان کے جاہل خوشامد پسند [illegible] اپنی

بدمذاقی کی باعث شاعری کے مذاق کو اسقدر بدنام کیا ہے بنا رکھا تھا کہ
بداخلاقی اور لغویت میں وہ آپ اپنی مثال تھی۔ سنہ ۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستان
اور ہندوستان کے مسلمانوں کی حالت جو اور اوس کے بدنصیب مسلمان
باشندوں کی سی ہوگی۔ نہ اسلام تھا اور نہ اسلام کی تعلیم۔ قرآن سامنے
تھا اور نہ قرآن کی تلقین۔ اور دہلی اور لکھنؤ کے بھانڈوں کے بدمذاق اور
نوجوانوں کے اخلاق و عادات خراب کر چکے تھے۔ غالب کے شاعرانہ
خیالات اوسکے ذاتی خصائل کے بالکل منافی ہونے کی باعث دنیا
پر کوئی اچھا اثر پیدا نہ کر سکے۔ ذوق اور اوسکے ہمنواؤں نے تو لوٹا ڈبو دی
معشوق شاہد بازاری بن گیا۔ ناجائز اختلاط کا نام چہل رکھ دیا گیا۔
مولانا شبلی نے جو ایران کی مبتذل شاعری کا ذکر کیا ہے اوسکو ہندوستان
کی مذکورہ بالا حالات سے منطبق کیا جائے تو عجیب تماشا نظر آتا
ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں:-

"محبوب اکثر شاہد بازاری اور مبتذل ہوتا ہے وہ ہر ایک کو ہاتھ
آسکتا ہے سیکڑوں سے تعلق رکھتا ہے۔ آج اوس سے ہم کنار ہے
کل اوس سے ہم آغوش ہے۔ جب محفل میں جلوہ آرا ہوتا ہے

چارون طرف سے عشاق کا جمگھٹ ہوتا ہے۔ وہ کسی سے آنکھیں لڑاتا ہے۔ کسی سے اشارے کنائے کرتا ہے۔ کسی کی طرف دیکھکر مسکرا اُٹھتا ہے۔ کسی کو فریب آمیز نگاہون سے جھوٹی محبت کا یقین دلاتا ہے بناوٹ سے کبھی روٹھتا ہے اور کبھی ہنستا ہے کبھی بگڑتا ہے۔ عشاق ایک ایک ادا پر مٹے جاتے ہین۔ ہر شخص سمجھتا ہے کہ اصلی التفات میری ہی طرف ہے۔ اور دون کو بناتا ہے اور دہوکھا دیتا ہے"

یہ تھی حالت ہماری شاعری کی جب آسی نے میدان شاعری مین قدم رکھا۔ اخلاق مبتذل ہوچکے۔ عادات خراب ہوگئے تھے۔ جذبات معدوم ہوچکے غرض شاعری اور ترانہ گوئی مین کوئی فرق امتیازی نہ تھا۔ جیسا ہم عرض چکے ہین آسی نے شاعری مین بھی تلقین قرآن اور تعلیم اخلاق کو مدنظر رکھا کوئی ایسی غزل نہین جسکے چند اشعار تلمیحات قرآنی سے مزین نہ ہون۔ کہین فرقان حمید کی آیات پاک کا شاعری کے پیرایہ مین ترجمہ ہے اور کسی جگہ آیات بینہ کی جانب نازک اشارے ہین۔ غرض دیوان آسی کا یہی کو ہے ع

ہست قرآن بہ زبان اُردو

حسب ذیل اشعار کلام اللہ کی آیات کا بالکل ترجمہ کہے جا سکتے ہیں
اور احادیث شریف کی تفسیر

نہ جانا کچھ طراز گنج اسرار   امانت دار تھا جاہل ہمارا

بڑھ کے شہ رگ سے گلے ملنے کو وہ آمادہ تھا   ہائے اسے وہم غلط کتنا میں افتادہ تھا

اس شعر میں آیۃ مبارکہ "نحن اقرب من حبل الورید" کی جانب اشارہ ہے۔

اتنا تو جانتے ہیں کہ عاشق فنا ہوا   اور اس سے آگے بڑھ کے خدا جانے کیا ہوا

اس شعر میں آیۃ مبارکہ "ولا تقولوا من یقتل فی سبیل اللہ امواتاً بل احیاء ولٰکن لا تشعرون" کی جانب اشارہ ہے

بس تمہاری طرف سے جو کچھ ہو   مری سعی اور مری ہمت کیا

اس شعر میں حدیث شریف "السعی منی والتمام من اللہ تعالیٰ" کی جانب اشارہ ہے

کل یوم ھو فی شان کی نیرنگی دیکھ   بیٹھے بیٹھے نظر آتا ہے تماشا دل میں

واعظو کیسا بتوں کا گھورنا   کچھ خبر ہے ثم وجہ اللہ کی

اس شعر میں آیۃ مبارکہ "فاینما تولوا فثم وجہ اللہ" کی جانب اشارہ ہے

کس کی حسرت نے جگایا تھا ہمیں ۔ نیند سوتے قبر میں نوشاہ کی

اس شعر میں نم کنومۃ العروس کی جانب اشارہ ہے۔

حسب ذیل اشعار میں کلام پاک کی آیات مبارکہ کی جانب لطیف اور نازک اشارے ہیں

عرش پر کہئے تو اثبات مکاں ہوتا ہے ۔ کیا فلک بھی مہر کے تیرے برابر ہوتا

حامل بار امانت ہو ظلوم اور جہول ۔ اور کیا اس سے زیادہ مجھے رسوا کرتی

مندرجہ ذیل اشعار میں احادیث نبوی کی جانب اشارہ ہے

کہتے ہیں مومن کے ہیں معنی کہ تا آئینہ حیات

یا ہوں جن کے خیر ہیں دل ذراہت گر گئے ہیں کھا

جن میں ہو عیب نہ کچھ تمہارا پڑے ۔ ایسے احباب ایسی صحبت کیا

ملنے والوں سے راہ پیدا کر ۔ ان سے ملنے کی اور صورت کیا

گوشہ گری حدیث نفس کیا تھا ۔ دل ہی مجمع حسن و غزلت کیا

ممکن نہیں کہ شاہد وحدت ہو جلوہ گر ۔ جب آنکھوں پر ہو پردہ انکار

کسی سائل کو کیا پھیرے جو خود دن رات سائل ہو
لگا یہ دل میں آکر شعلہ تقریر بانی کا

فلسفۂ تصوف

"مذہب کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ کسی خاص کیفیت روحانی کے ساتھ اس کا تعلق نہیں ہے" انسان کے تمامی کیفیات خواہ وہ روحانی ہوں یا دماغی دائرہ مذہب میں داخل ہیں۔ مذہبی احساس انسان کا فطرتی فرض ہے۔ فطرت انسانی اوسکا مرکز ہے اور فطرت انسانی کے قوی اوسکے گرد بطور دائرہ ہیں"

یہی وہ نکتہ خیال ہے جس پر ایمان لانے والے ہر مذہب و ملت میں حق کی جلوہ آرائیوں کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ انسان تھوڑی دیر بھی دنیا کے تمام مذاہب کو اس زاویہ نظر سے دیکھے تو اوسے اپنی کم فہمی کی حقیقت

معلوم ہو جائے گی۔

ہر مذہب اور ہر ملت کی تاریخی زندگی میں ایک زمانہ ایسا ضرور آتا ہے جب اوسکی ایک معتدبہ جماعت اپنے مذہب کی سخت گیری اور درستیون سے تنگ آکر وسعت نظر کی متلاشی ہوتی ہے مذہب کے ظاہری ضوابط و قواعد کی حرف بحرف پابندیان مذہب کی زندگی مین بالاخر وہ زمانہ پیدا کر دیتی ہین جب انسان کی روحانی آزادی اون سختیون کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتی ہے۔ الفاظ و معانی کی جنگ شروع ہوتی ہے۔ ظاہر و باطن کے جھگڑے اوٹھتے ہین اور اور بالآخر حقیقی اور مجازی دو مدرسہ خیال قائم ہو جاتے ہین۔ یہی وہ مذہبی حقیقت نگر ہین جنھون نے صوفی۔ مسٹک تھاسوفسٹ اور یوگی کے ایسے گرانقدر القاب حاصل کیے ہین۔

تصوف یا مسٹزم ایسے مقدس اصول ہین جو قدیم سے امم سالقہ اور اقوام مختلفہ کے روحانی جولانگاہ بنے رہے۔ ہر مذہب اور ہر ملت مین چند لوگ بحیثیت مجموعی روحانی ترقی مین مصروف رہے جنھون نے دنیا و مافیہا سے علحدگی اختیار کی اور لذات سے اجتناب کیا۔ یونان

مین حکمائے اشراقین روحانیت کا بہتون سبق دیتے رہتے۔ یورپ
مین رجینرڈ سینیٹ دکٹر ٹالر اور روسو روحانی تعلیم و تلقین مین مصروف رہے
ہندوستان مین کرشن جی اور مہاتما بدھ جیسے رشیون کی حقیقی تعلیم صدیون
تک اپنا اثر پھیلاتی رہی۔ اس روحانی جولانگاہ مین عرب و عجم کے مسلمان
صوفیون کے کارنامے بھی کسی سے کم نہین۔

تصوف اور مذہب مین جو تعلق ہے اس کے باعث مختلف مذاہب
مین تصوف کے اصولون مین بھی آپس مین فرق ہین۔ لیکن یہ اختلافات
زیادہ تر جزویات پر مشتمل ہین۔ ہر مذہب مین تزکیہ نفس کی تائید کی گئی
ہے لیکن ہر مذہب نے مختلف طریقے بتائے ہین۔ صبر و رضا کی تعلیم ہر ملت
مین ہے لیکن طریقۂ تعلیم مختلف ہین۔

"عیسائی نکتہ خیال سے تصوف علم مذہب کی وہ شاخ ہے جس کی
تعلیم مین خواہشات نفسانی سے پرہیز بتائی ہے۔ نفس کشی وہ ذریعہ
ہے جو ہمین خدا تک پہونچاتا ہے"

عیسائی مذہب مین روحانی تعلیم کا اصل اصول نفس کشی اور غمخواری
ہے۔ لیکن یہ نفس کشی رہبانیت اور ہلاکت تک پہونچ گئی تھی اور شاید یہی وجہ

ہے کہ اسلام نے اس قسم کی رہبانیت کو ناجائز قرار دیا۔

ہندوؤں میں بت پرستی کے رواج نے تصوف کا تخیل ہی بدل دیا۔ ہندوستان کا فلسفہ روحانی روحانیت سے کوئی تعلق نہیں رکھتا جس اصول پر ان کے مذہب کا دار و مدار ہے وہ طاقت ہے۔ آفتاب کی پرستش وہ اس واسطے کرتے ہیں کہ وہ ان کی زندگی میں بہت کارآمد رعد و برق کو وہ اسلئے پوجتے ہیں کہ اس سے خوف کا اندیشہ ہو۔ آگ کو وہ اس لئے سجدہ کرتے ہیں کہ اس میں خاک سیاہ کر دینے کی طاقت ہے۔ یوگی ان کے نزدیک وہی شخص ہے جس سے خرق عادت واقعات ظہور میں آتے ہیں۔ (کیمیا صفحہ ۲۳۷)

یونان کا نکتہ خیال روحانیت کی بابت کچھ اور ہی تھا۔

خدا مبداء کائنات ہے۔ دنیا آئینہ خانہ ہے جس میں حسن حقیقی پرتو افگن ہے۔ انسان تزکیہ نفس کے ذریعہ خدا کی ذات میں مدغم ہو سکتا ہے

اسلام کا فلسفہ روحانی کی تاریخ نویں صدی عیسوی سے شروع ہوتی ہے۔ یوں تو رسالت مآب صلعم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں روحانیت ربانی اور روحانی طور پر بدرجہ اتم موجود تھی مگر اس زمانہ

مین کوئی گروہ خاص اس لقب سے مشہور نہ تھا۔ البتہ بعض عابد و زاہد عہد رسالت
مین اس قسم کے تھے جو بیشتر اوقات ذکر و فکر مین مشغول رہتے تھے اور غزوات
مین حاضر ہونے سے بوجہ ضعف و طبعی ناتوانی معاف رکھے جاتے تھے
اور انھین لوگون کو "ارباب صفہ" کہتے ہین۔

بعض علمائے اسلام کا خیال ہے کہ دوسری صدی سے ضرورت زمانہ نے اہل اسلام کو تدوین علوم اسلام پر مائل کیا۔ اوس وقت اونھون نے علم احسان کا نام اپنی اصطلاح مین تصوف رکھا۔

ابن خلدون نے اپنے مقدمہ مین جہان علم تصوف سے بحث کی ہے وہان امام قشیری سے لفظ تصوف کی نسبت یہ عبارت نقل کی ہے۔

"لا یشهد لهذا الاسم اشتقاق من جهة العربیة ولا قیاس والظاهر انه لقب ومن قال اشتقاقه من الصفا او من الصفة فبعید من جهة القیاس اللغوی قال وکذلک من الصوف لانهم لم یختصوا بلبسه"

ماہرین لغت کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ اسم (تصوف) لغت عربیہ سے ماخوذ نہین کیا گیا ہے۔ بظاہر یہ ایک لقب ہے جس کو بعض نے

لفظ صفا، اور بعض نے لفظ صفت سے مشتق قرار دیا ہے لیکن یہ ساری قیاسات علم لغت کے اعتبار سے بعید ہیں اسی طرح یہ قول کہ تصوف لفظ صوف سے (جو ایک قسم کا پشمینی کپڑا ہے) ماخوذ کیا گیا ہے صحیح نہیں ہے، کیونکہ جماعت صوفیہ نے کبھی خود کو اس لباس کے ساتھ مختص نہیں کیا۔ اس کے بعد ابن خلدون نے قول آخر کو تعلیماً ایک شریعت تاویل کیا تھا تسلیم کیا ہے مگر از روئے تحقیق یہ سب تاویلیں وجوہ لاطائل ہیں۔

رینلڈ نکلسن نے اپنی مشہور تصنیف "صوفیائے اسلام" میں اس لفظ کی باعتبار لغت بہترین تحقیق کی ہے۔

"تیسری صدی سے قبل تصوف نے باقاعدہ علم یا شاخ علم کی صورت نہیں اختیار کی تھی، علم روحانی کے شائقین اپنی عبادت و ریاضت میں مصروف رہتے تھے، وے ایک خاص حلقہ بنا لیا تھا اور یہ سلسلہ انفرادی زندگی سے بڑھ کر حکمائے اشراقین کے اصول جب ان کی تعلیم روحانی میں دخل پانے لگے تو یونانی لفظ σοφος (سوفا) یعنی محب عقل بطور لقب استعمال ہونے لگا۔"

سب سے پہلا صوفی کا لقب جس شخص کے نام کے ساتھ بولا گیا ہے وہ

ابوہاشم صوفی ہے جس نے ۱۵۰ھ میں وفات پائی۔ اسی زمانہ سے کتب زہد و رقاق کی تالیف و تصنیف شروع ہوئی۔ مقامات ذکر و فکر۔ ذوق و شوق۔ صبر و رضا۔ قبض و بسط۔ فقر و توکل۔ شکر و محبت اور خوف و رجا وغیرہ کی تفصیل و توضیح ہونے لگی۔ جدید اصطلاحیں ایجاد ہوئیں۔ جوں جوں قانون قدرت کے مطابق زمانہ کی حالتیں بدلتی گئیں اور عام مذاق و طبائع میں تفاوت ہوتا گیا اسی قدر متاخرین کے طرز تحریر و طریقہ استدلال میں تبدیلی واقع ہوتی گئی۔

تصوف کی نشو و نما۔ تصوف، یا مسلمانوں کے روحانی فلسفہ کے بیان کیلئے کسی تمہید کے تعارف کی ضرورت نہیں۔ تصوف وہ علم ہے جو بیدار روحانی جذبات میں لطافت پیدا کرتا ہے۔ "تصوف" بقول غلام احمد حسن "آزادی، ہمت صبر و رضا کے مجموعی کیفیت کا نام ہے۔ دوسرے الفاظ میں خدا تجھ کو تیرے لئے فنا کرتا ہے اور اپنے لئے تجھ کو زندگی جاودانی بخشتا ہے۔"

رنیلڈ نے تصوف کی تعریف نہایت جامع الفاظ میں کی ہے

"تصوف تربیت روحانی کا نام ہے"

اس مختصر سی تمہید کے بعد جس میں ہم نے تصوف کا ناظرین سے تعارف

کرایا ہے ہم بہتر سمجھتے ہیں کہ ہم تصوف یا فلسفۂ روحانیات کے نشو و نما کی تاریخ بھی تھوڑی سی ناظرین کے سامنے پیش کر دیں۔

مذاہب میں اسلام کا نام سب سے بعد میں آتا ہے اس لئے اس کی روحانی تعلیم بھی سب مذاہب کے علم روحانیات سے بعد میں شروع ہوتی ہے۔

اصولاً اسلام کوئی نیا مذہب نہ تھا اور نہ اوسکی تعلیم و تلقین کسی غیر معمولی حکمتوں پر مبنی تھیں۔ آدم علیہ السلام سے رسول کریم صلعم تک تمامی انبیاء و پیغمبر وہی وحدت اور رسالت کی تلقین فرماتے رہے۔ انبیاء علیہم السلام میں حضرت عیسٰی علیٰ نبینا فلسفۂ روحانیات کے امام سمجھے جاتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ابتداء عیسائیت کی تعلیم محض روحانیات پر مبنی تھی۔

اسلام کی سیدھی سادھی تعلیم نے روحانیت اور مادیت کی بابت کوئی خاص احکامات نہیں جاری کئے۔ دین عین دنیا اور دنیا عین دین۔ خدا کی عبادت تعلیم روحانی کا ادنیٰ درجہ جزو قرار دی گئی جس طرح ازدواج و امور خانہ داری۔

لیکن جیسا ہم عرض کر چکے ہیں ہمارا زوال صدی ہجری پانچ گذشتہ

صدی سے ایسے لوگون کی تعداد مین اضافہ کرتی گئی جنھون نے مذہبی ظاہرداریون سے اپنی کو آزاد کرنا چاہا۔ یا جن کے شوق و جذبات ظاہری اصول کی قیود سے آزاد ہو کر فضائی روحانی مین پرواز کے خواستگار تھے۔" یا بقول واگنر "ان خدا کے بندون کی خواہش تھی کہ اس دنیا مین اسمانی بادشاہت کا لطف اوٹھائین" غالباً یہی وہ شوق تھا جس نے اونھین نفس کشی اور برداشت مصائب پر خوشی سے طیار کر دیا تھا۔

اسکندریہ اور یونان کی فتح کے بعد ارسطاطالیس اور افلاطون کے فلسفے مسلمانون مین رائج ہوے مسلمانون کا شوق علم ظاہر تھا۔ کتابین چھان ڈالی گئین اور غالباً یونانی فلسفہ مین وہ نکات اور بارکیان نکالی گئین جو شاید افلاطون اور ارسطاطالیس کو بھی نہ سوجھتین بالاخر بعد چند ترمیم و تنسیخ مسلمانون نے یونانیون کے فلسفہ کو اپنے مذہبی اصول کے مطابق بنا کر اپنا کر لیا۔

اسلام مردہ ہو چکا تھا لیکن مسلمانون کا شوق علم اوس وقت بھی باقی تھا جب اونھون نے ہندوستان مین قدم رکھا۔ ہندوؤن کا فلسفہ مشہور اور خصوصاً غور و فکر مین وہ آپ اپنی نظیر تھی۔ جہان تک اسلام اجازت دیتا تھا وہان تک مسلمانون نے ہندو فلسفے کے سیکھنے مین بھی دریغ نہین کیا

بغرض اختصار ذیل مین ہم تصوف کی نشوونما کی تفصیل سلسلہ وار درج کرتے ہین

ا۔ اسلام مین روحانی تعلیم

تصوف کا تخم خود اسلام کی روحانی تعلیم مین موجود تھا۔ کوئی تخم کسی کھیت مین کاشت نہین کیا جا سکتا جب تک کہ خود اوس کھیت مین اوس تخم کے نشو ونما کی طاقت موجود نہو۔ اسلام مین ضرور تصوف کے نشو ونما کی صلاحیت تھی اور یہی باعث ہے کہ چند صدیون مین سچے اور وفادار پرستار بھی بادہ تصوف کے سرشار نظر آنے لگے۔ واگن اپنی مشہور تصنیف "صوفیون کے ساتھ چند گھنٹے" مین تصوف کی تاریخ پر اجمالی نظر ڈالتے ہوئے لکھتا ہے

"تمام مہذب مذاہب مین رسول عربی صلعم کا مذہب تصوف کا سب سے بڑا دشمن ہے لیکن کسی مذہب مین تصوف نے وہ ترقی حاصل نہین کی جو اوسے اسلام کی آغوش مین نصیب ہوئی"۔

ہم پروفیسر واگن کی اس تہمت کا جواب صرف اس قدر دینا چاہتے ہین۔ بیشک اسلام اوس تصوف کا دشمن ہے جسکا نام رہبانیت ہے اور جو عیسائیت کا نصب العین ہے۔ اس مین شک نہین کہ اسلام نے محض روحانیت اور روحانی تعلیم کو مذہب نہین قرار دیا لیکن اس کو

یہ معنی نہیں کہ وہ تصوف یا روحانیت کا دشمن ہے۔

سوم۔ یونانیوں کا فلسفہ۔ اسلامی تصوف کی عمارت کا دوسرا معمار فلسفۂ یونان تھا۔ یونانیوں کے فلسفہ نے اسلام میں کس طرح رواج پایا اس کا ذکر ہم گذشتہ صفحوں میں کر چکے ہیں۔ یہاں ہمیں صرف یہ بتانا ہے کہ یونانیوں کے وہ کون سے فلسفی اصول تھے جنھوں نے مسلمانوں کے علم روحانیات میں دخل پایا۔ جسٹینین کے دوران سلطنت میں شیخ الیونان کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ فلسفۂ الٰہیات و فلسفہ روحانیات کی تعلیم شہر ایتھنز کی چار دیواریوں کے اندر نہ دیں۔ بیچارہ فلاطینس مع اپنے چند ساتھیوں کے شہر بدر کیا گیا۔ مدتوں کے سفر و سقر کے بعد نوشیروان شاہنشاہ ایران کے دامن عاطفت میں اوس نے پناہ لی۔ نوشیروان کے انتقال کے بعد بھی وہ اور اس کے شاگرد مدت مدید تک روحانیات کی تعلیم و تلقین میں مصروف رہے یہاں تک کہ آٹھویں صدی کے وسط میں ایرانیوں کے دماغ ان کی تعلیم سے کافی درجہ متاثر ہو چکے تھے۔ اسلام کا قدم جس وقت ایران میں پہنچا اس وقت ہر چہار طرف یونانیوں کا فلسفہ رائج تھا۔

فلسفۂ یونان کے حسب ذیل اصول اسلامی تصوف پر اپنا اثر ڈال چکے

الف - سچائی یا حق اس مین شامل نہین ہے کہ ہم کسی شئے کی ظاہری صورت کو اوس شئے کی مفہوم سے مطابق پائین، بلکہ راستی اوس حالت کا نام ہو جسے ہم اپنے دماغ اور اوس کی وقتی کیفیت کی تطابق کے بعد بطور نتیجہ اخذ کرتے ہین۔ صرف مثل ہی مثل کو پسند کر سکتا ہے، انسان تمامی محاسن کا خود مظہر ہو۔

ب - جس وقت روح مین لطافت آجاتی ہے اوسی وقت بقا حاصل ہوجاتی ہے۔ انسان کی جسامت روحانیت مین تبدیل ہوجاتی ہے اور عابد و معبود مین کوئی فرق نہین رہتا۔

ج - واجبات کی مشق عارف کے تخیلات مین لطافت پیدا کرتی ہے مراقب جن جن کیفیات کا مشاہدہ کرتا ہے وہ خود اوس کی ذات مین مضمر ہوتے ہین۔

د - عرفان حقیقت عقل سے نہین حاصل ہوسکتا۔ عقل کی قوت محض اشیا پر منحصر ہے لیکن خدا کی ذات شئے سے کہین بالاتر ہے۔

ر - دنیا آئینہ خانہ ہے جس مین حسن ازلی کا عکس ہے یہی وہ عکس ہے جسے ہماری حسیات کم بین دنیا سے تعبیر کرتی ہے۔

س - دنیا کی ہر شئے مین خدا کا جلوہ نما ہے - بوجہ تخیل ہوتا

چشمِ حقیقت نگر مین مظاہر کی کوئی وقعت نہین اسلئے خدا ہر چیز ہے
اور ہر چیز مین خدا ہے۔

یہ تھی فلاطینس اور اوس کی ہمنواؤن کے اصول جن پر اون کی روحانی تعلیم کا
دارومدار تھا۔ مذکورہ بالا اصول اور تصوف مین کیا مناسبت ہے
اوس کا اندازہ ہم ناظرین پر چھوڑتے ہین۔

۴۔ عیسائیت اور اوس کے راہبون کی مذہبی تعلیم۔ عیسائیت
سے زیادہ کسی مذہب کی تعلیم کا انحصار۔ روحانیت پر نہین ہے۔
بقول دلائی "مذہب کی روحانی شاخ کا نام تصوف ہے"

اسلامی تصوف کی بنیاد مین تیسری اینٹ عیسائیون کی روحانی تعلیم
نے رکھی۔ خلفائے بنو عباس کے دوران خلافت مین فتوحات کا دائرہ
جب وسیع ہوا تو عمالون کو یہ سخت تاکید کی گئی کہ ہر مذاہب کی کتابین
جمع کرکے دربار خلافت مین بھیجی جائین۔ کتابون کے ساتھ ساتھ اون مذہبی
کتابون کے معلمین کی بھی ضرورت پڑی۔ تواریخ شاہد ہے کہ ہارون و
مامون کے دوران خلافت مین تمام مذاہب کی علما کا اجتماع دربار خلافت
مین رہا کرتا تھا۔ تو کہنے کی ضرورت نہین کہ عیسائیت ذہنی طور پر اسلامی

خیالات میں کیا دخل پایا۔

ہم ذیل میں عیسائیت کی چند فلسفۂ روحانیات کے اصول درج کرتے ہیں جن کو غور سے دیکھنے کے بعد ناظرین اس کا اندازہ کر سکیں گے کہ اسلامی تصوف کہاں تک عیسائی فلسفۂ روحانیات کا ممنون احسان ہے۔

لیکن قبل اس کے ہم یہ بیان کر دینا بہتر سمجھتے ہیں کہ عیسائیت باوجود دعوئی روحانیت کے تزکیۂ نفس پیدا کرنے سے قاصر رہی ہے ہمیں کافی طور پر تمامی نظریات تصوف پر عبور نہ ہونے کی وجہ سے ہم ان ہر اصول تصوف کیلئے مختلف ملفوظات و سوانح کا مطالعہ کرنا پڑا۔

۴ الف۔ ڈاکٹر پی تھالر جرمن فلاسفر نظریہ ترک لذات کا بہت بڑا کشاف ہے اوس کا خیال ہے کہ نفس پروری اور خدارسی میں بعد المشرقین ہے ایک کے ہوتے ہوئے دوسرے کا حصول ناممکن بلکہ محالات ہے۔

ب۔ ٹامس منزر عیسائی مذہب میں اپنے وقت کا سب سے بڑا صوفی کہا جا سکتا ہے اوس کا قول تھا کہ انجیل محض ایک کتاب ہو اور تثلیث کتاب اوس کی روحانی تعلیم کے سامنے ہمارا سر تسلیم خم کر دینا غلامانہ اور کورانہ پیروی کی علامت ہے۔ اوس کا خیال ہے کہ ہر شخص کا ضمیر

ایمانی خود اوس کا رہبر ہے - ایک صداقت باطن ہے کہ کان ہر وقت اوس آواز پر لگی رہتے ہین جس کے ذریعہ سے خدا اپنے احکامات بندون کو پہنچاتا ہے اوس کی آنکھین ہر دم اوس جلوہ کے مشاہدے مین مشغول رہتی ہین جن کا تعلق خاص ذات باری سے ہے"

ج - نیکی و بدی کی تخلیق کا جہان تک تعلق ہے یہمن کا نظریہ بہت کچھ اسلامی اصول سے مشابہ ہے - اوس کا قول ہے -

"دنیا مین ہر چیز اپنے متضاد سے پہچانی جاتی ہے - بغیر بدی - نیکی کی تمیز مشکلات سے تھی - خدا نے کسی چیز کو بدی کی غرض سے پیدا نہین کیا - ہر شے مین بدی اور خوبی شامل ہے کسی ایک کی زیادتی اوس کے استعمال کی بابت نسبتاً فیصلہ کرتی ہے" (یہمن)

د - سنیٹ تھیر عالم رویا کی بہت بڑی حامی سمجھی جاتی ہے - اوس کی بابت مشہور ہے کہ وہ پہرون مراقب رہا کرتی تھی اور زندگی کا زیادہ حصہ اوس نے غور و فکر مین گذارا - اوس کا قول تھا کہ ہر عیسائی کا فرض ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ کی شبیہ مبارک اپنی چشم خیال کے سامنے رکھے -

ر - ہم اپنی گذشتہ صفحات مین اس کا ذکر کر چکے ہین کہ عیسائیت مین

روحانی تعلیم کا دارومدار نفس کشی پر ہے۔ چنانچہ اس مذہب کے تمام کاہن ہمیشہ اسی کی تعلیم دیتے رہے۔ سینٹ جان خصوصیت کے ساتھ اس نظریہ کا محقق سمجھا جاتا ہے۔ اوس کی دعا بھی کہ "یا خدا میرے دن کا کوئی حصہ ایسا نہ گذرے جو تکلیف اور مصائب سے خالی ہو" وہ اپنے ہم مشرب کاہنوں سے ہمیشہ کہا کرتا تھا۔

"تکلیفیں برداشت کرو تاکہ تمہیں لوگ ذلیل سمجھیں ۔ گمنامی میں زندگی بسر کرو تاکہ لوگ تمہیں حقیر سمجھیں ۔ اور اس طرح تم دنیا اور اوس کی خواہش سے آزاد رہ سکتے ہو۔"

صوفیائے اسلام میں فرقہ ملامتیہ کے بہت کچھ مسلک مذکورہ بالا اصول سے ملتے جلتے ہیں۔

س۔ ماسٹر اکہرٹ کا خیال ہے کہ دنیا میں بہت کم ایسے ہیں جو خدا سے بےغرض محبت رکھتے ہوں۔ دنیا میں تین قسم کے لوگ ہیں (۱) زیادہ تر اون لوگوں کی ہے جو خدا سے اس لئے ڈرتے ہیں کہ وہ قہار ہے (۲) اس سے کم اون لوگوں کی تعداد ہے جو خدا سے محبت رکھتے ہیں اس لئے کہ وہ رزاق اور کریم ہے (۳) سب سے کم تعداد اون کی ہے جو خدا سے

ڈرتے اور محبت کرتے ہیں لیکن اون کا سارا خوف یا محبت بے غرض اور
بے لوث ہوتی ہے۔ صوفیائے کرام نے بھی بے لوث محبت کی تاکید
کی ہے۔ آستی

خوف دوزخ نہ حرص جنت کی
بے غرض میں نے تجھسے الفت کی

یہ تھی عیسائیت کی روحانی تعلیم جو نوین صدی عیسوی سے قبل دنیائے
اسلام مین کافی رواج پا چکی تھی۔ ہم یہ نہین کہتے کہ اسلامی تصوف نے
اپنے تمامی اصول یونانیون اور عیسائیون کے فلسفۂ روحانیات سے
اخذ کئے ہین، مگر ہم یہ کہے بغیر بھی نہین رہ سکتے کہ اسلامی تصوف
پر ان تمام روحانی تعلیمات کا معتدبہ اثر پڑا ہے۔
ہندوؤن کا فلسفہ اور بدھا کی روحانی تعلیم۔ یون تو ہندوستان کی روحانی
تعلیم تاریخی حیثیت سے پرانی بھی جاتی ہے لیکن اسلامی تصوف پر
اس کا اثر سب سے کم اور سب سے بعد میں پڑا۔ اولاً اس کی وجہ یہ تھی کہ
ہندوستان مین اسلام کا قدم عرب و عجم کی فتوحات کے بعد آیا اور دوسرے
رسول عربی کی تعلیم اور ہندوستانیون کی مذہبی تعلیم مین اسقدر بعد تھا و نیز

تھا کہ ایک دوسرے کا اثر مشکل اور بہت کم پڑا۔

ہندوؤں کی مقدس کتاب بھگوت گیتا میں روحانی تعلیم کے تمام مراحل اور طریقے نہایت فصاحت سے درج ہیں۔

اسلام میں ابو علی سندھی پہلا شخص ہے جس نے ہندو فلاسفی پر کافی عبور حاصل کیا۔ "ہندوؤں کی روحانی تعلیم" بقول ابو علی "مسئلہ تناسخ اور خوف الٰہی پر منحصر ہے"۔

ہندوؤں کی روحانی تعلیم کے چند اصول ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔

۱۔ الوہیت الکون:- ہر شے میں خدا ہے اور خدا ہر شے میں۔

۲۔ انسان کی روح کثرت عبادت سے لطافت حاصل کر لیتی ہے یہاں تک کہ اوس سے خرق عادت واقعات سرزد ہونے لگتے ہیں۔

۳۔ انسان کا روحانی نصب العین یہ ہونا چاہئے کہ وہ اپنی ذات کو ذات باری میں مدغم کر دے۔

۴۔ عارف کو ذات باری میں ایسی محویت چاہئے کہ وہ اپنی ذات کو بھول جائے۔ اوس کی ساری حرکت و سکون خدا کے احکام کے مطابق ہوں اور اوس وقت وہ اپنی مراقبات میں جلوۂ الٰہی کا مشاہدہ کر سکتا ہے یہ پاکی روحانی

تعلیم بہت کچھ ہندؤں کی روحانی تعلیم سے ملتی جلتی ہے۔ بدھا کی تعلیم میں صرف ایک ممتاز کیفیت نروانا کی باعث پیدا ہوتی ہے۔ نروانا اور فنا کی تعلیم بالکل ایک ہی ہے۔ دوسرے الفاظ میں نروانا کا اصول ہے یہ اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ ہم اپنی شخصیت کو زائل کر دیں۔ اور اپنی خودی کو مٹا دیں اوس وقت ہمیں نجات ابدی حاصل ہو سکتی ہے۔

ہم نے دنیا کے قریب قریب تمام بڑے مذاہب کی روحانی تعلیم کا ایک خاکہ ناظرین کے سامنے کھینچ دیا ہے

اور اب ہم اپنی اصلی مطلب کی جانب رجوع ہوتے ہیں۔

اسلام میں روحانی تعلیم۔ علمائے اسلام کے نزدیک عبادت اور فرائض کی انجام دہی کا نام ہے جو ایک مخلوق پر بوجہ اپنی مخلوق ہونے کے خالق کی جانب سے عائد ہوتی ہیں۔

صوفیائے کرام نے اس میں ترقی کی۔ اون کے نزدیک ایک عارف کی عبادت اوس کے احساس فرائض کا نتیجہ نہیں ہوتی بلکہ وہ اوس کی ایک وجدانی کیفیت ہوتی ہے یا اوس کا ظہور ارادی عمل ہوتا ہے

ایک صوفی جس کا معیار عبادت اس درجہ بلند ہو اوسکو عرفان ابدی

سکے طریقے بھی جدا ہونگے اس کے واسطے اصول ایمان بھی سننے اور انکو رکھنے ہوں گے۔

تصوف کا حسب ذیل اصول پر دار و مدار ہے۔

۱۔ وحدت الوجود۔ جسکا تعلق ذات باری سے

۲۔ وحدۃ فی الکثرہ۔ "

۳۔ تزکیہ نفس۔ جسکا تعلق عارف سے ہے۔

۴۔ مراقبات و عالم رویا۔ یہ اون تعلقات پر شامل ہے جو مابین عابد و معبود قائم ہوتی ہیں۔ صوفیا کرام کے نزدیک تصوف میں دس منازل ہیں۔ ایک سالک تمامی منازل طے کرنے کے بعد وصال باری حاصل کر سکتا ہے۔

۱۔ توبہ	۶۔ ملازمت ذکر
۲۔ زہد	۷۔ توجہ
۳۔ توکل	۸۔ صبر
۴۔ قناعت	۹۔ مراقبہ
۵۔ عزلت	۱۰۔ رضا

سالک قدم جوں جوں منزل مقصود کی جانب اوٹھتے جاتے ہیں آدمی

طرح اس میں مختلف کیفیات طاری ہوتی جاتی ہیں - ان کیفیات کا نام اصطلاح تصوف میں حال ہیں - یہ بھی دس ہیں -

۱- غور و فکر	۶- شوق
۲- قرب باری	۷- اخلاص
۳- محبت	۸- سکون
۴- خوف	۹- تامل
۵- اُمید	۱۰- تیقن

یہ چند صفحے بطور تمہید تھے، مقصد میرا یہ تھا کہ میں اس میدان تصوف کا ناظرین سے بخوبی تعارف کرا دوں جس میں ہمارا اسیر وآسی گامزن ہے - ممکن ہے کہ ایک معترض اس طول طویل تمہید کو دیکھکر مجھے ایک متحذلق کہہ بیٹھے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ نہ تو میرا مطلب اظہارِ علمیت ہے اور نہ اعلان قابلیت، چونکہ آسی کی شاعری کا ایک زبردست رخ اور ان کی صوفیانہ شاعری ہے اس لئے میں نے ضروری سمجھا کہ عنوان مضمون میں ایک تمہید ایسی درج کیا جائے جو تصوف کا اصلی [illegible] مخصوص ناظرین کے سامنے پیش کرسکے - میرا ارادہ تو

کریں (انشاء اللہ) آیندہ صفحات میں تصوف کے تمامی مراحل و لطائف کا ذکر مولانا آسی کی شاعری کے سلسلہ میں کروں ۔ ان منازل اور لطائف کا ذکر بطور علیحدہ کرنا ایک طول عمل تھا ۔ اس لیے میں نے بہتر سمجھا کہ جہاں میں مولانا آسی کی صوفیانہ شاعری کا ذکر کروں وہیں ان تمامی نکات کی بھی تشریح کرتا چلوں ۔

مولینا آسی کی صوفیانہ شاعری

یوں تو فارسی اور اردو شاعری کے تعلقات کی بنا پر اردو شعراء کے کلام مصطلحات تصوف سے مالا مال ہیں لیکن تصوف اور اس کی اصلی تعلیم کسی کے کلام میں بھی نمایاں نہیں ۔ میر تقی دہلوی کا سارا کلام مصطلحات تصوف سے بھرا پڑا ہے لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ میر صاحب کا اصلی مقصد تعلیم تصوف اور تلقین معرفت تھی ۔

اردو شاعری کی پرورش یا تو ان کے دو ان میں ہوئی جو بوجہ عقیدت مذہبی تصوف کے منکر نہیں یا وہ آغوش سے تھے جو بوجہ اپنی بد مذاقی تعلیم حقیقت سے ناآشنا تھے ۔ میر ۔ درد ۔ آتش و ناسخ ۔ غالب و ذوق کون ہے جس کا دیوان

عرفان نفس، لمعات الٰہی، حجاب خودی، ہمہ اوست وغیرہ وغیرہ ایسے اصطلاحات سے پاک ہے۔ لیکن یہ ساری مصطلحات کا استعمال فقط اس وجہ سے تھا کہ بغیر چاشنی تصوف جذبات کا اظہار ممکن نہ تھا۔

دوسری وجہ اون کے میدان مجاز کی تنگی تھی۔ عشق مجازی باوجود اپنی تمام ظاہری دلبستگیوں کے خیالات کیلئے وہ مواد نہیں اکھٹا کرسکتا جو عشق حقیقی کرسکتا ہے۔

بقول علامہ شبلی حقائق ہی وہ کنز تھے جن کی ہر جانی عربی۔ فارسی۔ اور اُردو کے صدہا شعرائے کی لیکن آجتک اوس کی تمام نہ ہلی اور ہر دور سے نئے نئے مضامین اختراع و ایجاد ہوتے چلے آ رہے ہیں۔

اُردو شاعری میں پہلا شخص جس نے صوفیانہ مذاق فی الحقیقت اختیار کیا از شاہ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی تھے آپ کا مشہور شعر ہے:

اسے دیکھا اوسے دیکھا، نہ یہ دیکھا نہ وہ دیکھا
نہ دیکھا ایک کو، دو چار کو دیکھا تو کیا دیکھا

دوسرا نام جو ہمارے پیش نظر ہے وہ شاہ نیاز احمد صاحب نیاز کا ہے حضرت امداد اللہ و حضرت نیاز دونوں اوس میدان میں گامزن تھے۔

جہان اظہارِ حقیقت کے لئے مجاز کی ضرورت نہین رہجاتی، لیکن باانیہمہ حقائق اون کی شاعری فقدانِ مجاز کی باعث لطفِ شاعری سے محروم رہجاتی۔ بقول آسی ؎

اگر بیان حقیقت نہ ہو مجاز کے ساتھ
تو شعر لغو ہے آسی کلام ناکارہ

آسی نے صوفیانہ شاعری کو مکمل کردیا۔ حضرت نیاز و حضرت امداد (رحمت اللہ علیہم اجمعین) مین تصوف مالامال تھا لیکن شاعری نہ تھی۔ میر و غالب مین شاعری بھری پڑی تھی لیکن تصوف اور حقیقت کا فقدان تھا۔ آسی نے دونون کو ممزوج کردیا اور یہی باعث ہے کہ آسی فضائے تخیل کی اون ہمہ دانی لیکن عالیشان چوٹیون پر پہونچا ہوا ہے جو بامِ شاعری سے کہین اعلیٰ اور ارفع ہے۔ ہنگامۂ ہستی اون بلند چوٹیون تک پہونچتے پہونچتے دب کے رہجاتا ہے۔ نغمۂ حیات اوس فضائے تخیل مین داخل ہوتے ہی لحنِ داودی بنجاتا ہے۔ ہم تو یہی کہینگے کہ آسی میدانِ شاعری کے اوس حصہ مین گامزن ہے جہان سے کچھ ہی دور آگے سرحدِ نبوت شروع ہوتا ہے۔ فرماتے ہین۔

شعر اور سِرِّ غیب یقیناً یہ بیان نہین ۔ روح القدس ہی یا کرم کردگار ہے

کون سے ایسے مسائل ہین جنکا حل دیوان آسی مین دستیاب نہین۔ کون سے اصول و حقائق ہین جنپر دیوان آسی روشنی افگن نہین بقول ڈاکٹر عبد الرحمن مرحوم کون سا ایسا نغمہ ہے جو اس ساز زندگی کے تارون میں بیدار اور خوابیدہ نہین۔

فی الحال ہمارا مبحث تصوف اور اوس کے نکات ہین۔

پچھلے صفحون مین ہم دعویٰ کر چکے ہین کہ مولینا آسی میدان تصوف مین جلال الدین و عطار کے ہم پایہ ہین اس لئے ہم مندرجہ ذیل چند سطرون مین اوس دعویٰ کا ثبوت دینا چاہتے ہین۔

آسی کے فلسفہ تصوف کی تحقیق کے لئے ضروری ہے کہ ہم اس مبحث کے پہلی تحلیل کرین۔ اور اوس کے بعد اوس کے ہر تابع فصل کو علیحدہ علیحدہ وضاحت مین لائین۔

<u>وحدت الوجود</u> بقول مولانا شبلی مسئلہ وحدت الوجود یا وحدت تصوف کا نشہ ہے ہم تو یہان تک کہنے کے لئے طیار ہین کہ مسئلہ وحدۃ الوجود وہ مرکز ہے جس کے ارد گرد تمامی دیگر مسائل تصوف بطور احاطہ ہین۔ دوسرے الفاظ مین یہ مسئلہ جسم تصوف کی جان ہے۔

اس مسئلہ کو اس قدر اہمیت دینے کے بعد ضروری ہوا کہ ہم بطور تمہید اس خیال کی مختصر سی تاریخ بھی ہدیہ ناظرین کر دیں۔

ارباب تحقیق کا خیال ہے اور صحیح خیال ہے کہ اہل یونان اس خیال کے ماخذ ہیں۔ مولینا شبلی نے اس کی مخالفت کی ہے وہ شعر العجم جلد ۵ صفحہ ۱۴۴ میں فرماتے ہیں

"اس کا تاریخی ثبوت ملنا مشکل ہے۔ زیادہ تر شبہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ یونانی علوم وفنون کی توسیع واشاعت کا جو زمانہ تھا یعنی پہلی دو تین صدیاں اوس وقت یہ خیال نہیں پیدا ہوا تھا"

مولینا شبلی کا یہ خیال صرف عدم واقفیت پر مبنی تھا۔ مسئلہ وحدت الوجود کی تبدا تصوف کا ایک مرکزی مسئلہ ہونے کے باعث تصوف کے اغاز کے ساتھ ساتھ شامل ہے۔ تصوف کے نشو ونما کے ساتھ ساتھ مسئلہ وحدۃ الوجود نے بھی نشو ونما پائی۔ یونان اور ہندوستان کی روحانی تعلیمات پر اگر تاریخی حیثیت سے نظر ڈالی جائے تو نظر غائر یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتی کہ یہ تعلیمات اگر ساز زندگی ہیں جیسا ارشاد ہے [illegible] نہیں تو نوا ہائے ضرور ہیں۔

تفصیل مضمون میں یونانیوں اور ہندستانیوں کے تمام وہ نظریات اور

کرچکے ہین جنکا تعلق عرفان حق کے ساتھ تھا مفصل بحث کیخاطر ہم ناظرین کی توجہ حسب ذیل کتابون کی طرف منعطف کرانا چاہتے ہین۔

۱۔ صوفیون کے ساتھ چند گھنٹے مصنفہ ار۔ اے۔ واگھن

۲۔ پیرائرجپ	،، کلیمنٹ ساکن اسکندریہ
۳۔ جولس سائمن	،، سائمن
۴۔ نکالس وان تھیون	،، المین
۵۔ ہندو فلسفہ	،، وارڈ

" علاوہ برین مسئلہ وحدۃ الوجود محض تصوف سے مخصوص نہین معتزلہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ غیلان دمشقی۔ واصل ابن عطا۔ عمر ابن عبید۔ مادہ اور روح اور خدا تینون کو ازلی اور ابدی خیال کرتے ہین۔ خود فلسفہ قدیم مین یہ ایک معرکتہ الآرا مسئلہ خیال کیا جاتا ہے، فلسفہ کے جملہ مدارس دو فریق مین تقسیم ہین

۱۔ وحدت الوجود کے قائل کہتے ہین کہ تمام عالم مادی کو اگر تحلیل کیا جائے تو اثیر رہ جاتا ہے اور اثیر خود تحلیل ہوکر خیال اور خیال تحلیل ہوکر صرف مسبب الاسباب باقی رہجاتا ہے افعال کی نیکی و بدی محض اخلاق مادی

کی وجہ سے نظر آتی ہے ورنہ جو شے ایک کے خیال میں نیک ہے وہی دوسرے کے خیال میں بد ہے بالذات نیکی اور بدی کا وجود نہیں۔ توحید کے قائل خدا کو خالق اور ماسوا کو مخلوق قرار دیتے ہیں۔ خدا دنیا سے بے تعلق اور آزاد ہے"

"ثنویت کے پیرو نیکی و بدی کو اہرمن اور یزدان کو مثال فلسفہ مصروف پکارتے ہیں۔ مادہ اور روح کو متحد الذات نہیں بلکہ متخالف الذات کہتے ہیں" (عبدالرحمان بجنوری)

ان چند الفاظ کے بعد غالباً اب اس قول کی گنجائش نہیں رہتی کہ مسئلہ وحدۃ الوجود محض اسلام کی تعلیم کا نتیجہ ہے۔

وحدت الوجود کی ابتدا اس میں شک نہیں کہ "عشق حقیقی کے اثر سے ہوئی" ارباب عشق الٰہی جب نشہ محبت میں مست ہوتے تھے تو ان کی آنکھوں میں بجز جلوہ الٰہی کچھ نظر نہیں آتا۔ اس خیال نے جو پہلی صورت اختیار کی وہ یہ تھی۔

(۱) خدا آفتاب کی مانند ہے جس کی روشنی کے سامنے انسان کی ہستی جو ستارہ کی مثل ہے اندھی پڑ جاتی ہے۔ اس وحدت کو وحدت شہود

کہتے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اس وادی کے امام ہیں۔
مولینا آسی نے اس مسئلہ کو نہایت خوبی سے ادا کیا ہے۔

تمہیں کثرت سے نفرت اور محو ذوق وحدت ہو
کچھ اس سے اور بڑھ جاؤ تو کثرت ہو نہ وحدت ہو

مولینا آسی ابھی صرف وحدۃ شہود کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں۔ آسی تسلیم کرتے ہیں کہ یہ پہلا زینہ ہے اور اس سے آگے قدم بڑھانے کے بعد کثرت اور واحدت کا امتیاز باقی نہیں رہجاتا۔
آگے چلکر فرماتے ہیں (ابھی تک دامن شہود ہاتھوں میں ہے) شہود کا یہ دوسرا رخ ہے ؂

وہ کیا ہے جس میں تیرا جلوہ نہیں ہے
نہ دیکھے تجھکو کوئی اندھا نہیں ہے

جب ستاروں کی روشنی ماند پڑگئی تو ظاہر ہے کہ بجز آفتاب کوئی چیز نظر نہیں آسکتی

سب میں آئی ہے نظر کیفیت عالم مجھکو
ہر حیات بشر کا ساغر ہے جام جم مجھے

(۴) لیکن مسئلہ شہود مدتوں تک قائم نہ رہ سکا۔ رفتہ رفتہ یہ خیال وحدت الوجو

تک پہونچ گیا - اسکی تعلیم یہ تھی -

کہ سوا خدا کوئی چیز سرے سے موجود ہی نہیں - دوسرے الفاظ مین دنیا میز جو کچھ ہے سب خدا ہے یا یون کہئے کہ "جو کچھ ہے وہ ایک ذات ہے موجودات خارجیہ سب اوسی کے شئونات ہین"

یا وہ تصوف کے متوالے، شاعر ہون یا غیر شاعر سب کے سب یا جن مین بھی ایک راگ مستور تھی شیخ محی الدین اکبرؒ اور غلام یحییٰؒ نے اوسپر مستقل رسالے لکھ ڈالے عطارؒ اور جلال الدینؒ نے صدہا نظمین لکھ ڈالین لیکن واہ رے عشق حقیقی اور واہ رے شوق محبت، داستان غم ہے کہ ختم ہی نہین ہوتی - شوق بیان ہے کہ پورا ہی نہین ہوتا - سچ ہے -

فرا ہر ان مین ہے شان نو کا
مگر جیب دل نہ ہو غافل ہمارا

مولینا آسیؔ کے ہاتھ مین بھی وہی بانسری ہے - گیت وہی ہے لیکن آواز مین فرق ہے - نہ سعدی اور عطار کی سی گنگناہٹ ہے اور نہ خسرو کی سی آواز ہے جو ہنگامہ ہستی مین مل کر فنا ہو جائے -

آسی مسئلہ وحدت الوجود کے کئی رخ لیتے ہین - وہ اون مسئلون کی مانند ہین

جو تصویر بناتے وقت اس بات کا خیال رکھتا ہے کہ ہر دیکھنے والا تصویر دیکھکر یہی سمجھے کہ وہ میری طرف نگراں ہے۔ آسی کے مسائل واجد محمود کے مانند ادق اور مشکل نہین۔ غالب کی مانند آسی کا یہ خیال نہین ہے کہ دنیا اون کے کلام کے سمجھنے کیلئے اون تک پہونچے، وہ اوس مصلح قوم کی مانند ہین جو عوام کی خاطر اپنا معیار حقیقت کم کرتا ہے، دوسرے اوس تک نہین پہونچ سکتے۔ اسلئے وہ خود اون تک پہونچنے کی کوشش کرتا ہے۔

آسی نے اس مسئلہ کی پہلی تقسیم تو یون کی ہے۔

(۱) ماسوا حق کوئی ہستی نہین۔ اون کا وجود موہوم ہے۔

خرام جلوہ کی نقش قدم تھی لالہ و گل
کچھ اور اس سوا موسم بہار نہ تھا

لالہ و گل کا یہ دیوانہ تماشائی نہ تھا
باغ مین ہر پھول ترے حسن کا آئینہ تھا

فلسفۂ رسالت کے مسائل بھی ساتھ ساتھ حل ہوتے جاتے ہین۔

بلندی اوسکی اوسی کی پستی ہر ایک شے مین اوسی کی ہستی

تک پہونچ گیا۔ اسکی تعلیم یہ تھی۔

کہ سوا خدا کوئی چیز سرے سے موجود ہی نہیں۔ دوسرے الفاظ میں دنیا میں جو کچھ ہے سب خدا ہے یا یون کہئے کہ جو کچھ ہے وہ ایک ذات ہے موجودات خارجیہ سب اوسی کے شئونات ہیں"

یا وہ تصوف کے متوالے، شاعر ہوں یا غیر شاعر سب کے باجوں میں بھی ایک راگ مسلور تھی شیخ محی الدین اکبرؒ اور علامہ یحییؒ نے اوس پر مستقل رسالے لکھ ڈالے عطارؒ اور جلال الدینؒ نے صدہا نظمیں لکھ ڈالیں لیکن واہ رے عشق حقیقی اور واہ رے شوق محبت، داستان غم ہے کہ ختم ہی نہیں ہوتی۔ شوق بیان ہے کہ پورا ہی نہیں ہوتا۔ سچ ہے۔

ہزاراں میں ہے شان تو کا
مگر جب دل نہ ہو غافل ہمارا

مولینا آسی کے ہاتھ میں بھی وہی بانسری ہے۔ گیت وہی ہے لیکن آواز میں فرق ہے۔ نہ سعدی اور عطار کی سی کرختگی ہے اور نہ خسرو سی دھیمی آواز ہے جو ہنگامہ ہستی میں مل کر نا سمجھی جائے۔

آسی مسئلہ وحدت الوجود کے کئی رخ لئے ہیں۔ ذات اوس مسئلہ کی مانند میں

جو تصویر بناتے وقت اس بات کا خیال رکھتا ہے کہ ہر دیکھنے والا تصویر دیکھکر یہی سمجھے کہ وہ میری طرف نگران ہے۔ آسی کے مسائل واجد محمود کے مانند ادق اور مشکل نہین۔ غالب کی مانند آسی کا یہ خیال نہین ہے کہ دنیا اون کے کلام کے سمجھنے کیلئے اون تک پہونچے، وہ اوس مصلح قوم کی مانند ہین جو عوام کی خاطر اپنا معیار حقیقت کم کرتا ہے، دوسرے اوس تک نہین پہونچ سکتے۔ اس لئے وہ خود اون تک پہونچنے کی کوشش کرتا ہے۔

آسی نے اس مسئلہ کی پہلی تقسیم تو یون کی ہے۔

(۱) ماسوا حق کوئی ہستی نہین۔ اون کا وجود موہوم ہے

خرام جلوہ کی نقش قدم تھے لالہ و گل
کچھ اور اس سوا موسم بہار نہ تھا

لالہ و گل کا یہ دیوانہ تماشائی نہ تھا
باغ مین ہر پھول ترے حسن کا آئینہ تھا

فلسفۂ رسالت کے مسائل بھی ساتھ ساتھ حل ہوتے جاتے ہین۔

بلندی اوسکی اوسی کی پستی ہر ایک شے مین اوسی کی ہستی

عروج اوس کا رسول ہو کر   نزول اوسی کا کتاب ہو کر

اسی کا خیال ہے کہ جب دنیا میں سوا اوس کے اور کوئی ذات نہیں تو
پھر منصور کا قول انا الحق کیوں غلط تسلیم کیا جائے

مین بھی باطل مری ہستی بھی سراسر باطل
یہ سوجھائے ہے انا الحق کی حقیقت مجھ کو

(۲) دوسرا رخ مسئلہ وحدۃ الوجود کا اثباتی ہے یعنی
صرف خدا کی ہستی دنیا مین موجود ہے۔ اوسی کا وجود حقیقی ہے۔
فرماتے ہیں۔

پوچھتے ہو کہ سر وحدت کیا   ماسوا کی بھلا حقیقت کیا
کوئی تیرے سوا کہین ہو بھی   بدگمانی کی تجھ سے علت کیا

خدا فاعل کل ہے، وہی مختار ہے اور دنیا مجبور ہے۔ جو کچھ کرتا ہے وہی کرتا ہے
انسان کی کچھ مجال نہین ہے۔

کیا خبر تھی کہ اونہین کو ہین کرتے سارے
شکوۂ غیر کی ہے اون سے ندامت مجھ کو

یہی وہ مقام عشق ہے جسے باقی باللہ کہتے ہیں۔

اسی مضمون کو دوسرے پیرایہ میں لیکن کسقدر وضاحت کے ساتھ فرماتے ہیں

قطرہ میں کچھ نہیں پانے کے سوا کیا کہئے

بات کہنے کی نہیں ہے۔ یہ خدا کیا کہئے

ہم کہاں ہم تو ہیں معدوم مگر ہے کوئی

کہدیں کچھ صاف تو ہوتے ہیں خفا کیا کہئے

یہ چند اشعار مشتے از خروارے سمجھئے۔ مولانا کا سارا دیوان اس قسم کے

مسائل سے بھرا پڑا ہے۔

راز آفرینش۔ تصوف اس فلسفہ کا نام ہے جو عابد کو اپنے معبود کیساتھ روحانی

تعلقات قائم رکھنے کی ترغیب و تعلیم دیتا ہے۔ معبود کی حقیقت بیان

ہو چکی۔ اب عابد کی حقیقت سنئے۔ علم تصوف کا ایک بہت بڑا حصہ

فلسفہ امکان سے بھی تعلق رکھتا ہے جسے ہم اعلیٰ تصوف کہتے ہیں۔

اعلیٰ تصوف میں کوئی سوال اس سے زیادہ مشکل نہیں

کہ دنیا کی آفرینش کس وجہ سے ہوئی انسان کیا تھا اور کیا ہے۔ دنیا کسے

کہتے ہیں اور یہ کیا چیز ہے۔

ابن رشد اندلسی کا خیال ہے کہ مادہ ہمیشہ ہیولیٰ کا محتاج ہے۔ بے صورت مادہ کا تصور ناممکن ہے۔

آسی کا بھی یہی خیال ہے ۔

کچھ نہیں ہوتا ہے جب تک کچھ نہ ہو
یہ طلسم عالم اسباب ہے

ان چند الفاظ میں آسی نے وہ مسائل طے کئے ہیں، جو ماطرلنک اور مولینا روم اپنی ضخیم تصنیفات سے بھی مشکل کر سکے ہیں۔ اس مشکل کو رفع کرنے کے بعد کہ یہ دنیا کہاں سے آئی۔ کسی کی آفرینش کا نتیجہ ہے یا خود بخود پیدا ہو گئی ہے۔ مولینا انسان کی ہستی کے بابت فرماتے ہیں۔

درخت پھل سے ہے پیدا۔ تو ہے درخت میں پھل
یہ میری تیری ہے پیدائی۔ اور نہ پیدائی

منطق کا یہ ایک مسئلہ ہے کہ ہر چیز اپنی ہیئت ظاہری بدلنے کے بعد بھی وہی چیز رہتی ہے۔ بیج ایک دانہ اور شجر ایک تناور درخت ہے لیکن اہل منطق کے نزدیک بیج اور شجر دونوں کی اصلیت ایک ہے ذات الٰہی تخم ہے اور ہستی انسانی اس شجر کی مانند ہے جو اس سے اوگا ہے لیکن وہی شجر

جو اوس تخم کے نمو کا نتیجہ ہے بجز و یسے ہی ثمر پیدا کرتا ہے۔ دوسرے الفاظ مین انسان ذات ہستی کل کا ایک جزو ہے لیکن چونکہ جزو کل سے علاحدہ کوئی چیز نہین ہوا کرتی اس لئے جزو عین کل ہے۔

تیسرا سوال جو اس سلسلہ مین پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ دنیا کیون پیدا ہوئی۔ ازرئے محبت مین ایک وہ مدرسہ خیال بھی ہے جو اپنی تخلیق کا احسان لینا پسند نہین کرتا۔ اون خیال ہے کہ

"مبدا عالم حسن ہے اور حسن کو تقاضائے اظہار ہے اس لئے دنیا عدم سے وجود مین آئی" بہ الفاظ دیگر حسن خود بین ایک آئینہ کا متلاشی تھا۔ آسی کا بھی یہی خیال ہے۔

حسن پھر کس کام کا جب چاہنے والا نہ ہو
سچ ہے تجھسے دلربا کو لطف یکتائی نہ تھا

مولنا عبدالرحمن جامی بھی اس خیال مین ہمارے آسی کے ہم آہنگ ہین۔ (یوسف و زلیخا صفحہ ۲۷)

لیکن آسی جب عالم امکان کے قیود پر نظر کرتے ہین تو اون کی حالت قابل دید ہوتی ہے۔ اون کی نظرون مین انسانی تاریخ کا وہ صفحہ ہے

جیسیر اوس کی آزادی کے ترانے درج تھے۔ آسی انسان کا وہ زمانہ یاد کرتے ہین جب وہ "سقف و ستون" کے قیود سے آزاد تھا، جب اوس کی ہستی "حجاب گنج مخفی" مین پوشیدہ تھی، جب وہ خداوند زمین و آسمان" تھا

اور جب اوس کی ذات سے "باغ ہستی" کی بہار تھی

بے قیدیان بری تہین تجھی لامکان کی

کیون زیر بار منت سقف و ستون ہوا

حجاب گنج مخفی مین نہان تھے — الٰہی ہم کہان آئے کہان تھے

جو اوس کوچہ کی حاصل تھی گدائی — خداوند زمین و آسمان تھے

ہوئی ظاہر لسان نور باطن — دل ارباب دل مین ہم نہان تھے

بہار باغ ہستی تھی ہمین سے — نظر سے گو بزنگ بو نہان تھے

باب اللہ ایرانی کا خیال ہے کہ انسان کے لیے وہ زمانہ جلد آنیوالا ہے جب وہ اپنی لطافت کی باعث پھر ذات باری مین مل جائے گا۔ باب اللہ کا یہ خیال کوئی نیا خیال نہ تھا۔ صوفیائے کرام مین اکثر اس کے پیرو تھے ان کا خیال ہے کہ ہماری موجودہ زندگی اک گونہ "تھوانبات" کے

جھگڑے ہیں۔ ایک سالک اپنی انفرادی حیثیت سے اور انسان اپنی
مجموعی حالت سے اوس وقت ذات باری سے واصل ہو سکتا
ہے جب وہ اپنی ذات میں روحانیت بدرجہ اتم پیدا کرے۔ آسی اسی کی
جانب اشارہ فرماتے ہیں ؎

محو و اثبات کے جھگڑے میں پھنسا کر ہم کو
دیکھیں کب لطف ترا عقدہ کشا ہوتا ہے

سالک راہِ حقیقت کو اپنے مقصود تک پہونچنے کیلئے مقام
رضا سے گذرنا ہوتا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں عاشق اپنی
تمام خواہشات کو محبوب کے تابع کر دیتا ہے۔ محبوب کی خوشی
میں اوس کی خوشی ہے اور اوس کی رضا میں اوس کی رضا ہے۔ مقام
رضا کا آخری زینہ وہ ہے جہاں نہ صرف اچھی بات اچھی معلوم ہوتی ہے
اور بری بات بری معلوم ہوتی ہے بلکہ بری بات بھی اچھی معلوم
ہوتی ہے۔ عاشق اوس ذم میں حسن کا پہلو دیکھتا ہے اور اس طرح اپنے
دل کو تسکین دیتا ہے۔ آسی محو و اثبات کی جھگڑے سے پریشان ہیں
اور حجاب گنج مخفی کی بھی تلاش ہے لیکن جب خدا نے دنیا میں انھیں

خلق کردیا تو اب وہ اوس مین بھی اپنے خیر کی صورت دیکھتے ہین سہ

موقع کسب و کمالات وہان کسکو ملا
وہی اچھے جنھین دنیا مین خدا نے بھیجا

آسی گو اس زیست بیزار ہین لیکن اتنا ضرور ان کا خیال ہے کہ دنیا مین انسان کو کسب و کمالات کی تحصیل کا موقع دیا جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ اشرف المخلوقات کے نام سے موسوم ہے۔

موت یا فنا۔ بقول بیکن موت سے انسان اوسی طرح ڈرتا ہے جس طرح ایک بچہ اندھیری کوٹھری مین داخل ہوتے ہوئے ہراسان ہوتا ہو۔ لیکن اگر لڑکے کو معلوم ہو جائے کہ اوس اندھیری کوٹھری مین کوئی خوفناک صورت نہین تو وہ کبھی نہین ڈریگا۔ اسی طرح انسان اگر حیات بعد الممات کے راز سے آشنا ہو جائے تو اوسی موت کا خوف کبھی دامن گیر نہو گا۔

یہی وہ راز ہے جسنے سالکان راہ حق کو موت سے بالکل بیخوف بنا دیا ہے۔ وہ موجودہ زندگی کی حقیقت سے بخوبی آشنا ہین۔ اونھین خوب معلوم ہے کہ حیات بعد الموت کیا شے ہی۔ صرف یہی نہین! اونھین یہ بھی معلوم ہے کہ انسان دنیا مین تخلیق ہونے سے پہلے کیا تھا اور اس عدم وجود کی جگہ پر

سے نے اوسکی رفعت کہاں تک کھو دی ہے۔

"ڈبویا مجھکو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا" (غالب)

آسی کے دلوں میں انسان کی گذشتہ زندگی کی یاد چٹکیاں لیتی ہے۔ وہ کس افسوس سے اپنی بربادی پر چار آنسو بہاتے ہیں۔ وہ کبھی خدا سے شکوہ کر بیٹھتے ہیں سے

سنگساران حوادث اور مجھسا خستہ جان
میں یہاں کیا کرنے آیا لائے دیکر دم مجھ

کبھی اون کا مخاطب خود انسان ہوتا ہے سے

بندیاں بری تہیں سبھے لامکان کی
کیوں زیر بار منت سقف و ستون ہوا

ظاہر ہے کہ جس شخص کا دل اپنی گذشتہ عظمت و رفعت کو حسرت کی نظروں سے دیکھ رہا ہو۔ بھلا اوس کے نزدیک اس دنیا کی کیا وقعت ہو سکتی ہے جسکی زندگی کا ہر لمحہ تکلیف و مصائب میں گذرتا ہے۔ آسی کے نزدیک انسان کی زندگی غربت و ہجر ہے۔ اس سلئے وہ اس ہجر کا جلد سے جلد ختم ہونا بہتر سمجھتے ہیں۔

جائے نگاہ و طلسم بھی حیثیت نہیں
اچھی نہیں زندگی کی مدت کیسا

آسی دنیا کو جس ہوش سے سمجھتے ہیں۔ اور اس لئے وہ آزادی کے ہر دم طالب ہیں۔

سجن ہوں سے کے پہنچے سے نکلا کہ تاثیر حیا
یادوں نہ بچیں دل زلف گرہ گیر میں تھا

ایک کوہر باطن نظام دنیاوی کو ابدی سمجھتا ہے۔ اوس کی تمام انتظام وانتظام کے پیچھے یہ خیال پوشیدہ ہے کہ عالم قدیم ہے۔ وہ اوس بو عقل کی مانند ہے جو ہر اپنے رنج و راحت کو دوامی خیال کرتا ہے لیکن آسی سا صاحب نظر دنیا اور اوس کے نظام کی کچھ اور ہی حیثیت سمجھتا ہے

ہستی ہے نہیں موجہ دریا کے نفسی
درکار تو ہے نگہ اعتبار ہے

مادہ پرستوں کا خیال ہے کہ اس زندگی کے بعد آئندہ کوئی زندگی نہیں۔ شیرازہ ہستی جہاں بکھرے عناصر جہاں الگ ہوئے دوبارہ جسم و روح کا اتحاد محال ہے۔

تو زندگی است غافل نادان کہ ترا
در خاک کنند و باز بیرون آید شد

صوفیائے کرام کا خیال ہے کہ فنا سے دنیوی بقائے ازلی کا دیباچہ ہر بنیاد وجود شے عدم کا محتاج ہے۔ دنیا میں کوئی شے فنا نہیں ہوتی البتہ ظاہری ہیئت بدل جاتی ہے۔

وحدت الوجود کے فلسفہ کا یہ پہلا سبق ہے کہ ما سوا اور خدا صرف عارضی طور پر جدا ہیں، بعد الموت اون کی یہ جدائی ختم ہو جائیگی اور وہ دونوں آپس میں مل جائیں گے۔

دشمن زیست جدائی ہے تو ملنا کیا ہے
قطرہ دریا میں جو ملتا ہے فنا ہوتا ہے

دنیا ایک درمیانی منزل ہے۔ عدم سے ہم آئے تھے اور عدم ہی کو ہم جائیں گے۔ دنیا کی گذشتہ منزل ازلی ہے اور آئندہ منزل ابدی۔

لائے عدم سے لے بھی چلی جانب عدم
کیسی رفیق رہ ملی عمر رواں مجھے

غنچہ کی چٹک بھی ایک منتشر گیا آواز دوا سے کم نہیں۔ ہمارا ہر نفس

بانگ جرس ہے۔ دنیا کی بے ثباتی اور موت کا خوف اور بھی زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے اگر ہمارا ضمیر ایمانی ہمیں یقین نہ دلاتا کہ اس زندگی کے بعد بھی ایک اور زندگی ہے۔ اس موت کے بعد پھر جینا ہوگا۔ وہی ہم ہوں گے اور وہی احباب۔ وہی صحبت ہوگی اور وہی بزم عشرت سے

ملتا ہوں تم میں پا ہر وان عدم سے میں
بانگ جرس ہے ہر نفس کاروان مجھے

آسی بھی کبھی موت سے خائف ہوتے ہیں۔ لیکن نہ اس لئے کہ ان کی انفرادیت دنیا سے معدوم ہو جائیگی اور نہ اس لئے کہ کہیں اختتام زندگی چراغ شخصیت کو ہمیشہ کیلئے گل نہ کردے۔ آسی مرزا غالب کی طرح اس خوف میں مبتلا ہیں کہ کہیں احیاے بعد الموت بھی ایک تنازع البقا اور کون و فساد ہی نہ ہو۔ رباعی

پھر یاں وہی تند غصہ پینا ہوگا
پھر ٹکڑے جگر کیسا تو سینا ہوگا
جینے نے یہاں کے مار ڈالا مجھ کو
سنتے ہیں کہ پھر حشر میں جینا ہوگا

دنیا قیامت کی زندگی کو آخر زندگی سمجھتی ہے۔ لیکن حضرات صوفیہ کے نزدیک وہ بھی ایک ترقی کی منزل ہے۔ بقول علامہ شبلی "ترقی دراصل فنا اور عدم کا نام ہے۔ یعنی پچھلی صورت فنا ہوتی ہے اور ترقی کر کے نئی صورتیں پیدا ہوتی ہیں۔ اگر ایک ہی حالت قائم رہتی تو ترقی کی رفتار رک جاتی"۔ مولانا آسی اس ترقی میں کون و فساد اور تنازع البقا کے جھگڑے نہیں پاتے ہیں ؎

طلب تمام ہو۔ مطلوب کی اگر حد ہو
لگا ہوا ہے یہاں کوچ ہر مقام کے بعد

مطلوب کی ذات چونکہ غیر محدود ہے اس لئے اوس کی محبت کی زندگی بھی غیر محدود ہے۔

مسئلہ توسل۔ اسلام کی روحانی تعلیم میں مسئلہ توسل نہایت معرکۃ الآرا مسئلہ ہے۔ صوفیائے کرام توسل کے قائل ہیں۔ اون کا خیال ہے کہ ذات باری ارفع و اعلیٰ ہونے کے باعث انسان کی براہ راست حصول سعی سے بالاتر ہے۔ آسی کا بھی یہی خیال ہے ؎

ملنے والوں سے راہ پیدا کر   اوس کے ملنے کی اور صورت کیا

اسی کا یقین ہے کہ خدا رسی کا ذریعہ بجز توسل کوئی نہیں۔

مذہبی اعتقادات یہ طرف، اگر ہم اعلیٰ جذبات پر بھی غور کریں تو غالباً اسی نتیجہ پر پہونچینگے۔ عشق، محبت اور خوف کی مجموعی کیفیت کا نام ہے۔ ایک عاشق تصور حبیب جاتے ہوئے کبھی تو اپنے محبوب کی شان و جبروت کا خیال کرتا ہے اور کبھی اوسے اپنی کم مائیگی پر شرم آتی ہے۔ وہ جانتا ہے کہ محبوب ہمیں نکال نہیں دیگا۔ اوسے یقین ہے کہ اگر وہ اوس کے جانب ایک قدم بڑھیگا تو وہ اوس کے سمت دس یقین کیا ہے جو اوسے بڑھنے نہیں دیتا۔ کون سی وہ بات ہے جس نے اوس کے پیروں میں زنجیر ڈال دی ہے۔ محض ادب اور محبت اس خیال سے وہ اپنے محبوب کی ملنے والوں سے راہ و رسم پیدا کرتا ہے اور اس طرح اوس کی رسائی حریم ناز تک ہوتی ہے۔

اعلیٰ آنحضرت نے اس مسئلہ کو نہایت پر لطف بنا دیا ہے جس کا یہ قول ہو کہ ؎

جز تیری کچھ نہیں موجود مری ذات میں
پایا تو نظر آیا ہے یہی عکس ظہور

بھلا ادمی سے یہ کہنا کہ تم زید سے وسیلہ تلاش کرتے ہو اور تم بکر سے عنایت طلب کرتے ہو کس درجہ مضحکہ خیز ہوگا۔ مولانا آسی نے اس اصول کو کس لطف سے ادا کیا ہے۔

تسبیح شکستہ کسی تجر بہت بیچ اکیا سے
دل ہے جبیں کی طرف تار نہ ہے زنار کی خاطر

تزکیۂ نفس۔ تزکیہ نفس اور مجاہدہ سے روح کو ایک ادراک غیبی حاصل ہوتا ہے۔ انہی صوفیائے کرام کے نزدیک عرفان حق کا یہی ذریعہ ہے۔ ارباب قال وحال کے مابین یہ بہت بڑا معرکۃ الآرا مسئلہ ہے کہ تزکیہ نفس کے ذرائع کون سے ہیں۔ اور کیا ہر شخص تزکیہ نفس کے بعد عرفان الٰہی حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن ہم سے کم استعداد لوگوں کو تسلیم ہے کہ یہ سعادت درس و تدریس تعلیم و تلقین سے حاصل نہیں ہو سکتی۔

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

تزکیہ نفس تجرد و فنا سے حاصل ہوتا ہے جس قدر ہم دنیا سے خود

کو ازاد کرتے ہین۔ اوسی قدر ہم تزکیہ نفس حاصل کرتے ہین۔

مولانا آسی نے تزکیہ نفس کی تعلیم نہایت زوردار الفاظ مین دی ہے
تزکیہ نفس کی تعریف کے بعد آپنے اوس کے تمام مدارج کا بھی پتہ بتادیا
ہے۔ اگر اس بارہ مین مولانا کے سارے اشعار جو اس مضمون پر ہین اکٹھا
کئے جائین تو ایک مستقل مضمون کی صورت اختیار کر لینگے۔

ماہران علم النفس کا خیال ہے کہ بغیر اندرونی صلاحیت ہم کسی شعبۂ زندگی
مین کامیاب نہین ہو سکتے۔ مولانا آسی نے تزکیہ نفس کے لئے یہی صلاحیت
کی تاکید ہے ؎

صلاحیت بھی تو پیدا کر اے دل ناداں
پڑے ہین نقش کہن پا بپا ترے سر پہ

اس تعلیم کے بعد وہ فنا کی تاکید فرماتے ہین ؎

ڈہائی تھی جائے قیصر جو یہ رخ ہستی غیر کی بنا
کشتہ امتیاز ہوں جو دیدہ اشکبار کا

اس ہستی غیر کی وضاحت بھی دوسری جگہ فرمادی ہے ؎

اگر چاہو کو جاہو تم کہ منزل گاہ دلبر ہو تو جو ہو غیر تم ہو یا کہ غیر اس کی باہر

آسی کے نزدیک فنا تزکیہ نفس کا ایسا ضروری سبب ہو کہ وہ بغیر اس کے تزکیہ نفس محال خیال فرماتے ہیں۔

نہ مستند فنا ہو، تو ذوقِ عشق غلط

فنا کا مفہوم آسی کے نزدیک "نقد ہستی بہ یار نثار کردن است" ہے

نقد ہستی نثار یار کرے ۔ یہ نہیں ہے تو پھر محبت کیا

تزکیہ نفس کا اگر دائرہ وسیع کیا جائے تو اس کے اندر تمام وہ اخلاقی محاسن داخل ہیں جنکا ذکر ہم آسی کے اخلاقی شاعری" کے سلسلہ میں کریں گے۔

مولانا آسی کی اخلاقی شاعری

میتھو ارنلڈ، ورڈ سورتھ کے شاعری پر ایک اجمالی نظر ڈالتے ہوئے لکھتا ہے۔

"شاعر کا فرض ہے کہ وہ ہماری زندگی کے ہر پہلو پر ایک تنقیدی نظر ڈالے۔ شاعری محض ایک تبصرۂ کتاب ہستی ہے۔ اصلی معنوں میں شاعر وہی ہے جو ہمارے تمام جذبات کو ہماری زندگی کے ساتھ منطبق کرے اور اسے ایک عمدہ طرز میں ہمارے سامنے پیش کرے

جبتک کہ شاعر کا کلام ہمیں کوئی اصول حیات نہ بتاسکے اس وقت تک نہ وہ شاعر شاعر ہے اور نہ وہ شعر شعر۔ شاعر کا فرض ہے کہ وہ ہماری اخلاقی زندگی پر روشنی ڈالے۔ ہمیں بتاسکے کہ ہمارے طور و طریقے کہاں گمراہ ہیں اور ہماری اخلاقی کمزوریاں ہمیں کس جگہ تباہ کر دینگی۔ لیکن موجودہ شعراء ہمارے اخلاق کی درستگی کے کوشاں ضرور ہیں لیکن نہ انھیں اس کا طرز معلوم ہے اور نہ طریقۂ عمل سے واقفیت ہے۔ افسوس! اکثر ہماری اخلاقی زندگی کی باگ ایسوں کے ہاتھوں میں دیدی جاتی ہے جو ہمیں بجائے راہ بتانے کی جگہ خود بھی ٹھوکریں کھاتے ہیں۔ اور ہمیں بھی قعر ذلت میں گراتے ہیں"

آگے چلکر اسی مضمون کو وضاحت سے بیان کیا ہے۔

"کبھی ہمیں ایسی نظموں میں بھی دلچسپی محسوس ہوتی ہے جو یا یہ اخلاق سے بالکل کوری ہوتی ہیں اور کبھی ہم ایسی نظموں کو پسند کرتے ہیں جو عمر خیام کے مشہور و مقبول کے زیر عنوان آتی ہیں۔ اور کبھی ہم ایسے اشعار پسند کرتے ہیں جو ان سب سے جدا ہیں۔ مضمون تو بالکل ایک ہی ہے لیکن ہر شاعر کی شگفتہ زبان۔ انداز بیان سب عمدہ اور اعلیٰ ہیں۔

ایسی تمام حالتوں میں ہمیں دھوکا ہو جاتا ہے اور اچھے اور برے
کا امتیاز باقی نہیں رہتا۔ جب ہم کسی خاص نتیجہ پر نہیں پہونچتے تو ہمیں
کچھ پریشانی بھی محسوس ہوتی ہے۔ ایسی پریشانی کا علاج صرف ایک
ہے: ہمیں چاہیئے کہ ہم صرف زندگی کے مفہوم کو اپنے ذہن میں رکھیں
اور اس کے مختلف پہلوؤں پر غور کریں اور دیکھیں کہ یہ نظم کہاں تک
ہمارے نصب العین کے مطابق ہے۔ وہ نظم جو ہماری اخلاقی زندگی کو
اصول کے خلاف ہے وہ ہمارے شیرازۂ حیات کی بکھیرنے
والی ہے وہ نظم جو ہمارے اخلاق کی جانب سے بے پرواہ ہے وہ
ہماری زندگی کی طرف سے بے خبر ہے"

اخلاقی شاعری کا موجد محمد بن محمود زنگی ہے۔ یوں تو اخلاق کے
چیدہ چیدہ عنوان پند و مواعظت کی طریقہ پر ابتدا ہی سے شعراء کے
کلام میں پائے جاتے تھے لیکن پہلا یہی پہلا شخص ہے جس نے
اس صنف شاعری کو ایک مستقل لٹریچر بنا دیا۔ اس کے بعد تو اخلاقی
شاعری نے وہ مقبولیت حاصل کی کہ شعرائے ایران میں نظامی کی مثنوی
"مخزن الاسرار"، عبدی جنابذی کی "گوہر شاہوار" زلالی خوانساری

سے کہ "حسن گلوسوز" یہ ساری کتابین اخلاق و موعظت مین لکھی گئین۔
فارسی اور اُردو شاعری کے بابت اکثر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ مشرقی
شاعری ہمارے اخلاق کو پست کرتی ہے توکل و خاکساری کے تعلیم
ہماری ہمت کو پست کرتی ہین۔ ترک دنیا اور قناعت کی تلقین ہمارے
تمدن پر بُرا اثر ڈالتی ہین۔ عفو و حلم کی باعث ہم مین آزادی اور حریت کا
احساس باقی نہین رہجاتا۔

مولانا شبلی نے شعر العجم مین ان اعتراضات کا بہت خوش اسلوبی
سے جواب دیا ہے جسے ہم ہدیۂ ناظرین کرتے ہین۔

"ہم کو اس سے انکار نہین کہ اوس زمانہ مین اخلاقی تعلیم کا معیار
اس قدر بلند نہ تھا اور شخصی حکومت مین اس سے زیادہ بلند ہو بھی نہین سکتا تھا
لیکن یہان ایک غلط فہمی بھی ہے۔ اخلاقی مسائل کا جو مجموعہ آج موجود
ہے اوس کی نسبت لوگون کو یہ معلوم نہین کہ اون مین سے کیا چیز کس
موقع کی ہے۔ حلم و تواضع کی تعلیم بے شبہ عام آدمیون مین بزدلی
اور افسردگی پیدا کرتی ہے لیکن غور کرو ایشیائی ملکون مین خود سر
سلاطین اور امرا، جبروت و اقتدار و غرور و تکبر و نخوت و جاہ کے پیکر

مجسم ہوتے تھے اور اس وجہ سے کسی کو اون سے کچھ سننے کی جرأت نہین ہو سکتی تھی۔ ان کے لئے تواضع، حلم، انکسار سے بڑھکر کیا تعلیم ہو سکتی تھی۔ ہمارے اخلاقی واعظ اس نکتہ سے بخوبی واقف ہین کہ اون اخلاقی اوصاف کی مخاطب امرا ہین یا غربا لیکن اگر غور کیجئے تو یہ تصویر کا ایک رخ ہے"

ایک صوفی شاعر جہان مسئلہ وحدت الوجود کے پیالے اوچھالتا تھا وہین وہ بادۂ نخوت کے جانگسل اثرات سے محفوظ رہنے کی بھی تلقین کرتا تھا۔ اخلاق و تصوف کا تعلق ظاہر ہے اس لئے صوفی شعرا بہت جلد تعلیم اخلاق کے ہیرو بن بیٹھے

اردو شاعری مین اخلاق و موعظت کی ذمہ دار وہ بادۂ تصوف کے متوالے ہین جن کی حیثیت دنیا مین نہ صرف ایک شاعر کی ہے بلکہ وہ اوس رفارمر یا مصلح قوم کے مانند ہین جنہون نے اپنے روحانی نغمات سے ایک مردہ قوم مین بیداری پیدا کردی ہے۔

مولانا آسی کا مشن جہان قرآن کی تلقین اور تصوف کی تعلیم ہے وہان اخلاقی موعظت بھی ہے۔

دنیا کی بے ثباتی۔ جس قوم میں مادہ پرستی بڑھی ہوئی ہو، جس جماعت میں دنیا سازی، دغا و فریب، تملق و خوشامد کا ہر دم چرچا ہو، بھلا اس قوم میں دنیا کی بے ثباتی سے بڑھ کر اور کونسی تعلیم مفید ہو سکتی ہے اگر ہم اپنی روز آنہ زندگی پر غور کریں تو اس کی حقیقت کا اور انکشاف ہوتا ہے۔ آج ہم دنیاوی جھگڑوں میں مبتلا ہیں۔ جوڑ و توڑ اور سازش میں مصروف ہیں لیکن ابھی اگر کوئی ہم سے دنیا کی بے ثباتی کا ذکر کرتا ہو تو ہم اپنی ساری بداعمالیوں پر نفریں کرنے لگتے ہیں۔ دل میں ایک خوف پیدا ہوتا ہے۔ اور کم سے کم چند لمحوں کے لئے ہمارا دل نیکی اور بھلائی کی جانب متوجہ ہو جاتا ہے فرماتے ہیں۔

ثبات جو ہو رہی تھی گلشن کی ثبات نی
جوں جوں ہنسے گل تر میں زار زار رویا

دنیا کی ناپائداری کی بابت فرماتے ہیں۔

دنیا در روزگار کی ناپختگی نہ پوچھ
گنبد حباب کا تو بہت استوار ہو

اسلوب بیان ملاحظہ ہو۔

توکل/صبر و توکل کی قدر و منزلت سے کچھ وہی لوگ آشنا ہیں۔ جنہوں نے انسان کی اخلاقی معائب کے تحقیقات میں کچھ وقت صرف کیا ہے۔ ہماری زندگی میں کتنی خرابیاں ہیں جس کی ذمہ دار صرف ہوا و ہوس ہیں۔ ہم میں کتنی برائیاں ہیں جو محض حرص و لالچ کی باعث پیدا ہوتی ہیں۔ بعض حکمائے یورپ کا خیال ہے کہ توکل ہمارے تہذیب و تمدن پر بہت خراب اثر ڈالتا ہے۔ ہمیں افسوس کیساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ان عقلا نے توکل کے اصلی مفہوم کو نہیں سمجھا۔

جز توکل معنی دیگر بود درویش را
ورنہ سگ ہم در قناعت یکقدم بیش از گداست

ہمارے تہذیب و تمدن پر جس توکل کا خراب اثر پڑتا ہے اوسے توکل نہ کہئے بلکہ وہ ایک قسم کی کاہلی ہے۔ ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ جانے کا نام توکل نہیں۔ توکل اوس کیفیت دماغی کا نام ہے جو انسان میں اسوۂ دلی اور رضائے الٰہی پر تلقین کرنے کی باعث پیدا ہوتی ہے۔ توکل سعی و کوشش کا مانع نہیں ہے۔ توکل انسان کو جستجو سے نہیں روکتا

دکہنا، توکل اوس لغو اور بیہودہ پہلو کو برا بتاتا ہے جو ہمارے کشمکش حیات کو پیچیدگیوں میں مبتلا کر دیتی ہے۔

مولانا آسی مندرجہ ذیل شعر میں اسی قسم کے توکل کی جانب اشارہ فرماتے ہیں

بسان آسیا پائے توکل کو نہ لغزش دے
کہ منہ میں آ رہیگا خود بخود تقدیر کا دانا

توکل کا دار و مدار بہت کچھ اوس یقین پر ہے جو ہمیں تقدیر اور مقدرات پر ایمان رکہنا پڑتا ہے۔ توکل کا تعلق مقدرات سے ظاہر ہے۔ آگے چلکر فرماتے ہیں

کبھی تدبیر سے غیر از مقدر مل نہیں سکتا
جو ہو تقدیر کا دانا۔ وہ ہے تدبیر [illegible]

ہندی میں ایک ضرب المثل مشہور ہے جسکا مفہوم یہ ہے کہ بچپن میں جبکہ انسان مجبور محض تہا اوس وقت تو خدا نے اوس کی پرورش کی اور اوس کی غذا کا انتظام کیا۔ اب جب وہ بڑا ہوا تو کیا اب وہ اوسکی خبرگیری سے باز رہیگا۔ اس مضمون کو مولانا فرماتے ہیں۔

کون ہوتا کشش تدبیر [illegible] کہ [illegible] کا [illegible] تہا

آسی کے نزدیک تدبیر اور بیہودہ تمنا یہ ہم معنی الفاظ ہیں اسی سے لئے وہ اوس تدبیر کی مذمت فرماتے ہیں جس میں انسان کو تملق و چاپلوسی سے کام لینا پڑتا ہے آسی کے لئے وہ تدبیر ایک فعل مذموم ہے جو ہمیں احسان پذیری سکھاتی ہے۔

کارساز الٰہی آسی کی دعا ہے تجھ سے
کام اوس کا کوئی منت کش تدبیر نہ ہو

کیا اچھا ہے! آمین!

کسی بزرگ کا قصہ مشہور ہے کہ اون کے ایک مرید نے جب اون سے رخصت کی اجازت چاہی تو فرمانے لگے بزرگ بھائی ذرا وہاں پہونچکر اوس جگہ کے خدا سے میرا سلام کہدینا۔

مرید۔ حضرت! آپ کیا فرماتے ہیں۔ کیا وہاں کا خدا اور ہے اور یہاں کا اور؟

بزرگ۔ بھائی! ہمارا تو یہ عقیدہ نہیں لیکن تم تو غالباً یہی خیال کرتے ہو

مرد خدا اگر ہر جگہ ایک ہی خدا ہے تو پھر یہ منت کی نگاہ کیسی؟

جب متوکل تھے یہاں بھی ہو وہاں بھی
تا دم رحلت ہیں غم زاد سفر سے

توکل کا دوسرا رخ ہے جاتا ہو تو اوسکا غم نہ کیجئے
کی بھی تلقین ہے شیکسپیر کا خیال ہے کہ اگر ہم گم شدہ شئے پر افسوس
کرتے ہیں تو ہم چور کو اپنے نقصان پر خوش ہونے کا ایک فرید موقع
دیتے ہیں - فرماتے ہیں

پرایا حق وہ تھا جاتا رہا جو ہاتھ سے تیرے
بسان آسیا ناحق کف افسوس ملتا ہے

کیا صنعت تمثیل ہے ! سبحان اللہ !!
وقت کی قدر و محبت - اس مضمون کو حکما اور شعرنے بہت زیادہ
وسعت دی ہے - دنیا اس بات پر متفق ہے کہ جب کسی قوم پر
زوال آنے والا ہوتا ہے تو اوس کے افراد وقت کی قدر و محبت سے
ناآشنا ہو جاتے ہیں - آج کا کام کل پر ٹالا - کل کا پرسوں پر - اسی طرح زندگی
کے دن گذر جاتے ہیں، جب موت سر پر آ پہونچتی ہے اوس وقت
آنکھ کھلتی ہے لیکن اوسوقت ساری کوششیں بے سود ہوتی ہیں

کس سے کیا ہو سکا اوڑھا ہے پین
کس کو ماتم نہیں جوانی کا

دنیا مین کتنے بوڑھے ہین جو مرتے وقت اپنے گذشتہ تضیع اوقات پر ایک حسرت بھری نگاہ ڈالتے ہین لیکن بقول مولینا؎

کس سے کیا ہو سکا ٹر ہا ہے مین

مولانا اوس تشائم الخیالی کو بھی برا سمجھتے ہین جس کی کیفیت کا ہمین اکثر غم والم کی حالت مین احساس ہوتا ہے۔ اکثر ہم مصائب کے وقت ہاتھ پر ہاتھ رکھکر بیٹھ جاتے ہین اور کہتے ہین

اب کیا ہوسکتا ہے!

مولینا اس تشائم الخیالی کو بہت مذموم حرکت سمجھتے ہین۔ آسی اس مایوسی پر موت کو ترجیح دیتے ہین۔

موقع ہے یہی تجھ سے اڑا کیون نہین جاتا

کیا صحن ہے اے طائر جان تم پر ریز

ہماری زندگی مین کتنے کام ہین جو صرف اسی باعث کامیابی کی صورت نہین اختیار کرتے کہ ہم اونہین کل پر ڈال رکھتے ہین۔ بدقسمت شخص کی زندگی پر اگر غور کیجئے تو اوس کی ناکامیابی کا راز سوائے اس کے اور کچھ نہین کہ وہ آج کے کامون کو کل پہ ملتوی کر دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے

کارِ امروز بفردا مگذار اے آسی
آج ہی چاہئے اندیشۂ فردا دل میں

پہلے مصرع میں جو فارسی ترکیب نے لطف پیدا کر دیا ہے وہ کچھ اہل بینش ہی سمجھ سکتے ہیں۔

کاونٹ میٹرنک آف اسٹریا کہا کرتا تھا کہ ہماری نظروں میں آج کے دن کی صرف اس لئے وقعت ہے کہ وہ فردا کا پیش خیمہ ہے۔ دوسرے الفاظ میں ہماری تمام فکر کا مرکز فردا ہونا چاہئے۔ ہندی میں ایک ضرب المثل ہے: کہ آج تو اپنی فکر کرلیگا، کل کی فکر چاہئے شعر مذکورہ بالا کو مکرر ملاحظہ فرمایئے۔

کارِ امروز بفردا مگذار اے آسی
آج ہی چاہئے اندیشۂ فردا دل میں

مولینا آسی کی شاعری کا فلسفیانہ نظر

آجکل شاعری میں فلسفیانہ خیالات کا ذخیرہ نہایت قلیل ہے یا تو اُردو شعراء کی بد مذاقی پر محمول کیجئے یا زمانہ کا مقتضی کہئے۔ تاہم

میں فلسفیانہ خیالات بکثرت اسلئے پاتے ہیں۔ کہ وہ فارسی شاعری کا بھی ماہر تھا اور ظاہر ہے کہ فارسی شاعری میں فلسفیانہ خیالات کا جس قدر ذخیرہ ہے کسی زبان میں نہیں۔

"فلسفہ کے خشک مسائل" بقول علامہ شبلی "شاعری کی حد سے باہر ہیں۔ اول وقت طلب مضامین کا موزوں کرنیوالا شاعر نہیں کہا جا سکتا۔ وہ تو ایک ناظم ہے جس نے مضامین کو ردیف وقافیہ کی مصنوعی پوشاک پہنا کر کھڑا کر دیا ہے۔ شاعری میں اگر جذبات معدوم ہیں تو وہ شاعری نہیں اسلئے ماہرین فن کا خیال ہے کہ فلسفہ کے مسائل وہیں تک شاعری میں دخل پا سکتے ہیں جہاں تک وہ جذبات سے متعلق ہوں۔ طبعیات، عنصریات، فلکیات، الہیات یہ سب فلسفہ کے نام سے موسوم ہیں لیکن جس فلسفہ کا شاعری سے تعلق ہے وہ ان مذکورہ علوم سے کہیں ارفع و اعلیٰ ہے"

شاعری میں جو فلسفہ کا سرمایہ ہے اسکو حسب ذیل حصوں میں ہے۔

۱۔ تصوف۔ اس حصہ میں فلسفہ وحدت الوجود و فلسفہ رسالت و توحید باری

۲۔ اخلاق۔ جسے ہمارے فلاسفی بھی کہتے ہیں۔

۳۔ علم النفس: اس میں عشق و محبت بھی شامل ہے۔ فلسفۂ ذہنی بھی اسی میں داخل ہے۔

۴۔ فلسفۂ حیات جس میں تنازع البقا اور کون و فساد بھی شامل ہیں۔

۵۔ نظریۂ زیست جس میں زندگی کے ہر دو رخ متفائل بالخیر اور متشائم الخیالی دونوں شامل ہیں۔

۶۔ فلسفۂ ابتہاج۔

فی زمانہ اُردو شاعری محض فلسفۂ تصوف پر مبنی ہے۔ تصوف میں چونکہ محبت کا عنصر غالب رہتا ہے اس لئے واجی امجد خان بھی اس کی مصطلحات کی پیرایہ میں جذبات کا اظہار کرنے لگے۔

اُردو کی موجودہ شاعری کو دیکھ کر فریڈرش نطشے کا وہ قول یاد آتا ہے جسے ڈاکٹر عبد الرحمن بجنوری مرحوم نے اپنے مقدمہ غالب میں نقل کیا ہے۔

"میں شعرا سے تنگ ہوں۔ قدیم شعرا سے اور جدید سے۔ وہ سب پایاب پانی ہیں اون کی مثال خشک دریاؤں کی سی ہے اونکا تخیل تعمق سے خالی ہے ان کے احساسات سطحی ہیں۔

تعیش اور رندی کے جذبات کے سوا ان کے دیوانون مین کچھ نہین"
جس طرح غالب اس الزام سے بری ہے اوسی طرح ہمارا آسی
بھی اس تہمت سے مبرا ہے۔ کیا آسی ایک فلسفی ہے کیا آسی شاعر
ہے۔ نہین نہین اوس کی ذات اس سے کہین زیادہ ارفع اور اعلی
ہے۔ اوس نے اپنے پیغام حق کو شاعری کا جامہ اس لئے پہنایا ہے
کہ مبادا ہماری چشم کم بین اوسے دیکھکر چکا چوند ہو جائے۔ آسی کا پیغام
عمل شاعری کی مصنوعی پوشاک سے مزین ہوکر بام رفعت سے نیچے
اوترتا ہے تاکہ وہ دنیا کے عقل کے دوش بدوش کھڑا ہو۔ آسی کے
نظریات اصول فلسفہ کی صورت اسلئے اختیار کرتے ہین کہ ہماری عقل
مدرکہ اون کے سمجھنے سے قاصر نہ رہجائے۔

"اسکی زبان ترجمان حقیقت ہے۔ اوسکی پرکار تخیل کا دایرہ امکان سے کنار ہے"

یون تو دیوان آسی اول سے آخر تک

ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

لیکن چند خاص مسائل کا ذکر بھی ناظرین کی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا

ذات باری - دہریے خدا کے منکر ہیں۔ سوفسطائیوں کو شک ہے منطقی استدلال کے خواہان ہیں لیکن ارباب نظر کیلئے استدلال و برہان کی ضرورت نہیں۔ تصوف اور فلسفہ دو راستے ہیں اور دونوں آگے چلکر مل گئے ہیں اور ان کے ملنے کے بعد جو راستہ نکلتا ہے اوسے اعلیٰ تصوف یا اعلیٰ فلسفہ کہتے ہیں۔ اس اعلیٰ فلسفہ کی شاہراہ پہ چلنے والا ذرہ ذرہ میں آفتاب حقیقت کے جلوے دیکھتا ہے اوسکے نزدیک

ذرہ ہر اک ہے شان حق کا

وہ اگر خدا کو پوشیدہ بھی سمجھتا ہے تو اسی لئے کہ اوس کی جلوہ آرائیاں نہایت درجہ ہویدا ہیں۔

کمال جلوہ ہے پردہ سے بڑھکر
چھپا ہے یار تیری لن ترانی

فلسفیوں میں ایک مدرسہ خیال ہے جسے مادیت یا میٹریلزم کہتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ دنیا کا خالق ایک مادہ ہے جو مختلف صورتیں اختیار کرتی اور کرتا ہے۔ اجزا کے ذی مقراطیسی ملکر زمین و آسمان و سیارے وجود میں آئے

آسی کا فلسفہ کچھ اور ہی آتا ہے۔ وہ اوس خدا کو ماننے کیلئے طیار نہیں جس کی ذات چند پریشان شیرازوں کا مجموعہ ہے۔

اوسی کو دیکھتے ہیں جمع بلکہ جمع الجمع
جسے سمجھے رہے ہیں مدتوں یکتائی

ان کا خیال ہے کہ جو کچھ ہے ایک ہی ذات ہے۔ موجودات خارجیہ سب اوسی کے شیونات ہیں۔"

ہنوز تفرقہ جلوہ کچھ نظر میں نہیں
پسند کیجئے کعبہ کو یا کلیسا کو

خدا کے وجود کے تسلیم کر لینے کے بعد اثبات مکان کا مسئلہ نہایت پیچیدہ ہے۔ آسی کیا ایک دوسری ہی دقت نظر سے کہتے

عرش پر سے کہے تو اثبات مکان ہوتا ہے
کیا فلک بھی مرے سینہ کے برابر ہوتا

تعین اور رفع تعین دونوں صورتوں میں آسی لطف اندوز ہیں۔ ذات باری کا تعین ادراک انسانی کیلئے نہایت سہولت پیدا کرتا ہے لیکن تعینات کا اختلاف عقل حیوانی کو تھوڑی دیر کیلئے پریشان کر دیتا ہے

آسی اختلاف تعینات سے پریشان نہین ہین لیکن متعجب ضرور ہین۔

تعینات مین کیا اختلاف ہوتا ہے
وہ بدر عالم حسن اور انکھ کا تارا

رفع تعین عوام کے لئے ضرور باعث پریشانی ہے لیکن اہل نظر کیلئے باعث اطمینان ہے۔ آسی رفع تعین سے شاد ہین سہ

ہوا جو رفع تعین تو سبزہار نہ تھا
یہ برگ و بار۔ گل و غنچۂ گلستانی

علم انسان کو ذکی الحس بنا دیتا ہے۔ اوس کے خیالات ھمیشہ ترقی کر جویان رہتے ہین۔ ایک مشکل کے حل کے بعد اوس کے آگے دوسری مشکل آجاتی ہے۔ آسی ان مسائل کے حل کے بعد ایک دوسرے خیال مین محو ہین سہ

غیر کو غیر جو کہئے تو غلط ٹھہرا دے
اور کہئے کہ وہی ہے تو خفا ہوتا ہے

لیکن اس خفگی اور بدگمانی کو آسی ان الفاظ مین رفع کرتے ہین

کوئی تیرے سوا کہین ہو بھی   بدگمانی کی مجھ سے علت کیا

عرفی اور آسی دونوں نے تحقیق ذات باری کے بابت یہ قطعی فیصلہ کر دیا ہے کہ

سوائے ذوق جلوہ عبث جستجو نہیں

عرفی کے سامنے تصویر کا محض ایک رخ تھا لیکن آسی تنظر و ناظر و منظور سب کی طرف سے باخبر ہیں۔

سوائے ذوق جلوہ عبث جستجو نہیں

جلوہ تو بھر اہل نظر بے قرار ہے

فلسفۂ رسالت مسئلہ وجود باری تعالی کے بعد اگر کوئی مسئلہ ہو جسنے ایک عالم کو پیچ و تاب میں ڈال رکھا ہے تو وہ مسئلہ رسالت ہے۔ ایک رسول کی ذات پر اگر فلسفیانہ نظر ڈالی جائے تو عجیب و غریب سوالات پیدا ہوتے ہیں۔

۱۔ کیا ہر شخص رسول بن سکتا ہے، یا چند خاص ذاتیں جنھیں اللہ جل شانہٗ نے اس سعادت کیلئے مخصوص کر رکھا ہے!

۲۔ کیا نبوت ایک کسبی کیفیت کا نام ہے!۔

۳۔ کیا رسول تجسید باری ہے، جسنے انسان کی خاطر جامۂ

ایسا غیر متوازن کیا ہے!

ان مسائل کی بابت ہم یہاں بالتفصیل بحث کرنا نہیں چاہتے۔ عوام سے یہ مخل ہوتے کہ خوف ہے کہ یہ مسائل مبادا عوام کے ایمان کو متزلزل نہ کر دیں۔ صرف ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ آسی نے فلسفہ رسالت پر کیوں کر بحث کی ہے۔

بعض ظاہرین آسی پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ وہ تجسید باری کے قائل ہیں۔ (نعوذ باللہ) اور ثبوت میں پیش کرتے ہیں ہے

وہی جو مستوی عرش تھا خدا ہو کر

قبل اسکے کہ ہم اس مسئلہ پر بحث کریں ہم ناظرین سے استدعا کریں گے کہ وہ براہ کرم آسی کے نظریات ذات باری و وحدت الوجود پر غور کریں۔ ان دو عنوانات میں آسی نے حق و غیر حق کے ظاہری اختلافات پر مفصل بحث کی ہے۔ ان دو عنوانات کے مطالعہ کے بعد غیر حق کا سوال ہی باقی نہیں رہ جاتا۔ ایک صوفی کے نزدیک جب ہر ذرہ انسانی آفتاب وحدت کا کرہ ہے تو پھر خود وہ ذات بابرکات جو نقطہ طور پر ذات باری کے نور سے پیدا ہے اگر غیر حق میں شامل

نہ کیجائے تو اصول میں کونسا اختلاف لازم آتا ہے۔

بجز تمہارے کسی کا وجود ہوئے محال
مگر تمہیں نظر آئے ہوا سوا ہو کر

فلسفۂ رسالت کے اس مسئلہ پر حکمار کا اتفاق ہے کہ رسول زمانہ بعثت میں تمام عمدہ خصائل انسانی کا نمونہ ہوتا ہے، اوسکی ذات میں تمام وہ باتیں اکمل طور پر پائی جاتی ہیں جنکا شمار محاسن میں ہے۔ صوفیائے کرام کے نزدیک ایسا شخص گو جامۂ انسانی میں ہے لیکن صفات ملکی سے مزین ہے۔

آسی کے نزدیک خدا کی قدرت کا عروج تخلیق نبی میں شامل ہے۔

بلندی اوسکی اوسکی پستی ہر ایک شے میں اوسکی ہستی
عروج اوسی کا رسول ہو کر نزول اوسی کا کتاب ہو کر

فلسفۂ زیست۔ لانگ فیلو (LONGFELLOW) نے کیا خوب کہا ہے کہ

"وہ شاعر تمام علم و حکمت کا بادشاہ ہے۔ وہ ہمیں صرف منزل مقصود کا راستہ ہی نہیں بتاتا بلکہ راہِ حیات کا وہ دلکش منظر پیش

کرتا ہے کہ دل مجبوراً سفر کیلئے آمادہ ہو جاتا ہے۔

آسی علم و حکمت کا بادشاہ ہے، وہ راہ حیات کے محض دلکش منظر نہیں پیش کرتا، وہ صرف خضر بدعا کے مانند رہنمائی بھی نہیں کرتا بلکہ وہ ہمارے ساتھ پاکیزہ جذبات اور لطیف خیالات کا ایک توشہ باندھ دیتا ہے جسے ہم لیکر خوش خوش منزل مقصود تک پہونچ جاتے ہیں۔

ایک رہنما کا فرض ہے وہ ہمیں راستے کے تمام خوف و خطر سے آگاہ کرے، وہ ہمیں بتائے کہ کون سا راستہ منزل مقصود تک جاتا ہے اور کس راہ میں دشمن ملینگے اور کس راہ میں دوست۔ غالب کی مانند آسی ہمیں صرف دنیا کے مکر و فریب ہی سے نہیں آگاہی دیتے، بلکہ وہ ہمیں اس دوست کا بھی پتہ دیتے ہیں جس تک پہونچنا ہماری کوشش کا اصل منشا رہتا ہے۔

فریب عالم صورت سے بچنا
نہیں کوئی کسی کا جز خدا دوست

آسی کا فلسفہ زیست حافظ شیرازی سے بہت کچھ مشابہ ہے۔ دونوں کا یہ خیال ہے کہ ہماری زندگی ایک کشمکش حیات ہے ہمارا فرض سعی و کوشش

باقی رہا کامیابی یا ناکامیابی یہ خدا کے ہاتھ ہے۔

بس تمہاری طرف سے جو کچھ ہو
میری سعی اور میری کوشش کیا

انسان اپنی تدابیر کی کامیابی کا ذمہ دار نہین۔ بقول خود "کامیاب وہ شخص نہین جو منزل مقصود تک پہونچ سکا۔ بلکہ کامیاب وہ ہے جسنے کوشش کی اور ناکامیاب وہ ہے جسنے کوشش نہین کی"

ہمارے نزدیک سکندر و خضر دونون برابر ہین۔ صرف اوسکی ہمت اور اوس کی کوششون پر پانی نہین پھر سکتی۔

ہر صورت طلب لازم ہے آب زندگانیکی
اگر پایا خضر تم ہو نہین پایا سکندر ہو

آسی ان کفن بردوش فلسفیون مین نہین ہین جو دنیا کو سرے ہی سے ناقابل رہایش جگہ سمجھتے ہون۔ اون کی نظرون مین دنیا ایک عجیب و غریب جگہ ہے جسمین رہ کر انسان خوشی و غم دونون اوٹھاتا ہے۔ اس مہر ناپایدار مین رہ کر اپنے اعمال کی بدولت ہم خدا سے مل بھی سکتے

ہین اور ہمیشہ کیلئے اوس کی نعمتون سے محروم بھی ہو سکتے ہین

ملنے کی بھی راہ نہ ملنے کی بھی راہ

دنیا جسے کہتے ہین عجب راہگذر ہے

دنیا مین کتنے ہین جو چاہتے ہین کہ اونہین عمر خضر نصیب ہو دنیا مین کتنے ہین جنکی خواہش ہے کہ اونہین کبھی موت نہ آئے لیکن جب اس خواہش کو انسان پوری ہوتے نہین دیکھتا تو وہ چاہتا ہے کہ ہماری ذات دنیا مین نہ رہے نہ سہی لیکن ہمارا نام تو دنیا مین رہجائے لیکن کیا یہ اوسکی خواہش پوری ہوتی ہے!

موت کے بعد بھی انسان تنازع البقا کے جھگڑون سے رہائی نہین پاتا۔ زندگی مین اوس کی جان معرض خطر تھی اور اب اوس کا نام معرض خطر ہے۔ دنیا ہمیشہ یادرفتگان کے مٹانے کی کوشان رہی لیکن قوت متعارضی

"کشتگان خنجر تسلیم"

کا نام دنیا سے مٹنے نہین دیتی۔

حقیقت مین وہی جیتے ہین بس مرنے کے بعد جو امر ہین

انسان کو ہمیشہ یہ کوشش کرنی چاہیئے کہ وہ اوس موت سے پرہیز کرے

جبتک متعلق کوئی یہ نہ کہہ سکے

وہ بھی کیا مزا کہ خود فطرت سے تجھے دیدے جواب

بلکہ ؎

جو ہو سکے تو جئے اس طرح زمانے مین

کہ مر بھی جائے تو مرگ اوسکی زندگانی ہو

نمونہ کلام

ذیل مین ہم آسی کے چند اشعار درج کرتے ہین جنہون نے دنیائے ادب مین خاص مقبولیت حاصل کی ہے۔ گو انتخاب مین یہ ساری اشعار درج ہین۔ لیکن دل نہین مانتا کہ اونہین نموتاً ہدیہ ناظرین نہ کرین۔

محو حیرت دیکھتا تھا اپنی آرائش کیا تھا   آئینہ خانہ مین وہ محو خود آرائی نہ تھا

حال دل کیا خاک مین کہتا کہ تا ہنگام مرگ   آپ کا تذکرہ جدا تھا شکوہ تقدیر تھا

دوست پر کس دوست نے کی ہوگی ناوک افگنی   ہو نہو اس فتنہ گر دشمن تری کی جستجو [illegible]

نہ گرے گا اوس نگاہ سے کوئی بلا　　اور افتاد کیا مصیبت کیا

تا سحر وہ بھی نہ چھوڑی تو نے او باد صبا　　یادگار رونق محفل تھی پروانے کی خاک

نہ ستاری کو شرم آئی نہ غفاری کو غیرت ہوئی　　قیامت مین ترا بندہ ہوا رسوا گئی فضیحت ہوئی

کوئی تو بیکس نکلیگا اوٹھیگی کچھ تو بو منہ سے　　در پیر مغان پر سے مئے پرستو چلکے بستر ہو

جو ہو سکے تو جیو اسطرح زمانہ مین　　کہ مر بھی جائے تو مرگ اوسکی زندگانی ہو

مندرجۂ ذیل اشعار بھی خاص کر قابل توجہ ہین جن کی نزاکت ملاحظہ ہو۔

کسیکو دیکھکے لغزش جو پاؤن مین آئی　　شراب پی کہ وہ آنکھین نہ تھین کہین جام

شاگرد ہے کسکا فلک پیر ستمگر　　گردش مین تو اوستاد ہے تقدیر ہماری

"ظاہربین عمدہ نظم کو پریشان خیالات کا ذخیرہ سمجھتا ہے۔ لیکن ایک مبصر اون
بکھرے ہوئے شیرازون کو ایک زنجیر مین مسلوک پاتا ہے جس کے ہر
حلقے اپنے نازک ہاتھون کو ایک دوسرے کی گردنون مین ڈالے ہوے
" مست جھومتے ہین"

(ٹیگور)

ب

فہرست نظم و غزل معہ صفحہ

فہرست رباعیات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

التجائے آسی

تابِ دیدار جو لائے مجھے وہ دل دینا
منہ قیامت میں دکھا سکنے کے قابل دینا

پاؤں یارب مجھے تاجِ سرِ منزل دینا
ہاتھ بھی گردنِ مقصد میں حمائل دینا

غیر ظاہر نہ مظاہر کی حقیقت سمجھوں
اتنی تمیزِ میانِ حق و باطل دینا

رشکِ خورشید جہاں تاب دیا دل مجھ کو
کوئی دلبر بھی اسی دل کے مقابل دینا

اصل فتنہ ہے قیامت میں بہارِ فردوس
جز ترے کچھ بھی نہ چاہے مجھے وہ دل دینا

ہار کے ہائے ترے عقدہ کشائی کو [illegible]
تو ہی کھولے جسے وہ عقدۂ مشکل دینا

خوں فشانی ہو میری آئینہ روئے فنا
دونوں آنکھوں کو رگِ گردنِ بسمل دینا

ناتوانوں کے سہارے کو ہے [illegible]
دامنِ لطف تہِ بارِ بے کس [illegible] دینا

درد کا کوئی محل ہی نہیں جب دل کے سوا
[illegible] ہمہ تن دل دینا

ذوق میں صورتِ موج آ کے فنا ہو جاؤں
[illegible] دینا

گریۂ غم

ہمدرد کی مصیبت دیتی ہی کیا اذیت — بلبل نی نالے کھینچے ہیں زار زار رویا
برباد کردیا جب قسمت نی گلستاں سی — ابر بہار بنکر میرا غبار رویا
ثابت جو ہو رہی تھی گلشن کی بی ثباتی — جوں جوں ہنسے گل تو میں زار زار رویا
رقت سی وقت رخصت دیکھا نہیں تھا مشکل — جب آنکھ ادہر اوٹھائی بی اختیار رویا
اظہار سوز دل کو آسی نی شمع آسا — جوں ہی زبان کھولی بے اختیار رویا

اصول زیست

رتبہ پایا محبت میں تو اب دل کو سنبھال — گر پڑیگا صفت برق جو بیتاب ہوا
خاکساری سبب آبروئے سالک ہے — جو ملا خاک میں آنسو دُرِ نایاب ہوا
قابل سجدہ ہوا جھک کے ملا جو کوئی — قدِ خم گشتہ میں پیدا خم محراب ہوا
جس نے دیکھا نہیں کیا خاک لگے آنکھ اوسکی — دیدۂ رخنۂ دیوار بھی بیخواب ہوا

ماضی عشق

امتیاز صید و صید افگن نہ تھا جس عہد میں — تیرے فتراک نظر کا مرغ جان نخچیر تھا

سچ بتانا اے نگاہ ناز تیرے بھیس میں
کس قدر انداز کے دستِ کماں کا تیر تھا

یار تک پہونچا تو ہیں لیکن فنا ہونیکے بعد
جادۂ راہ طلب تھا یا دم شمشیر تھا

میں جسے سنکر حیاتِ جاودانی پا گیا
وہ دمِ ذبح اوسکے منہ سے نعرۂ تکبیر تھا

وہ مصور تھا کوئی یا آپ کا حسنِ شباب
جس نے صورت دیکھ لی اک پیکرِ تصویر تھا

پائے بوس آسی دیوانہ کا اللہ رے شوق!
حلقۂ چشمِ تصور حلقۂ زنجیر تھا

حاجت عشق

عشق میں اے کوہ کن کیا زخم سر کا تھا!
زخم دل درکار تھا زخم جگر درکار تھا

اہل ہو محرومئ دیدار کے تم اے کلیم!
میں ازل کا بے جگر مجھکو جگر درکار تھا

جا کہا ہے دل کے ٹانکے اتنی بیرحمی کیسا تھا
درد دل تجھکو بھی کچھ اے چارہ گر درکار تھا

مجھ سے بے مقدار کا دل اور جلوہ آپکا!!
سچ ہے اے خورشید ہر ذرے میں گھر درکار تھا

بیان حقیقت

غبار ہو گئے بھی آسی پھرو گے آوارہ!
جنون عشق سے ممکن نہیں چھٹکارا!

وہ تیغ حسن تو دشمن نہیں کسی کی مگر
جو آپ کو گلا دیتے کوئی کیا چارا!!

وہ جلوہ شعلہ تو ہیں کا ناتواں ہی قیس — تجھے فراق نے مجھکو وصال نے مارا
سلوک راہ وفا میں فنا کی طور ہیں اور — جو آپ مار کے تیشہ مرا تو جھک مارا
نہ پوچھو حالت دل آتش غم پہ حسرت کی — دکھائی دی جسے ایک ایک قطرے میں دہارا
تمہاری دید قیامت نہیں تو پھر کیا ہے — کہ مجھکو نور خدا کا ہے آج نظارا
حقیقت دل بیتاب سوز غم میں نہ پوچھ — منظر بڑا ہے کہیں مجھکو آگ پر پارا
فراق یار کی طاقت نہیں وصال محال — کہ اوسکی ہو کے رہے ہم ہوس یہ کہاں پارا
اگر بیان حقیقت نہ ہو مجاز کے ساتھ — تو شعر لغو ہے آسی کا کلام ناکارا

تمنائے عشق

سجدہ در پہ تمہارا نہ میسر ہوتا — وہی ہم ہوتے وہی سر وہی پتھر ہوتا
پھر آ جاتی قیامت تو قیامت ہی تھی — دیکھ لینا تو کسی طرح میسر ہوتا
کاش قاتل کو وہ لپٹ جاتی مری کوتاہی — نالہ شب مندرہ نہ سینے سے نکلا ہوتا
عشق میں غارت ہوئے دین و ایمان ہی اللہ — نہ دل و جان دیگر تو اک بوسہ میسر ہوتا

مرگیا آسی دلگیر بھی انا للہ
[illegible]

میخانۂ دل

خوشبو وہی رنگت وہی ہستی بھی اوسیکی — کعبے میں بھی دورِ مئے میخانۂ دل تھا
اسرار ترے معدنِ انوار تھے جس میں — مسجد تھی نہ کعبہ، وہ نہاں خانۂ دل تھا
ہر موجِ نفس سینے میں اک قلزمِ خوں تھی — کیا میری تصور میں کچھ افسانۂ دل تھا
آسی نے بجز تیری جہاں کچھ بھی نہ دیکھا — وہ عالمِ ہُو گوشۂ ویرانۂ دل تھا

طرازِ گنجِ اسرار

جہاں اونکا ہے آبِ زندگانی — مگر جینا ہوا مشکل ہمارا
یہ گرمی آتشِ دوزخ میں کیسی — کوئی نالہ ہوا شامل ہمارا
کبھی ڈھونڈا بھی تو نے ہمکو اے پیر — دلِ ہر ذرہ ہے منزل ہمارا
نہ جانا تجھے طرازِ گنجِ اسرار — امانت دار تھا یا دل ہمارا
محیطِ تنگ تیرگی فنا ہیں — جہاں وسعت ہے وہ ساحل ہمارا
اونھیں کی جستجو تھی اس تگاپو میں بھی — خیالِ خضر تھا باطل ہمارا
محیطِ جلوہ سے تنگ ہے دل — کہیں پیدا نہیں ساحل ہمارا
طلب اونکی یہی ہے ہم گدا سے — جنونِ عشق تھا کامل ہمارا

بیان ماضی

بڑھ کے شہ رگ سے گلے ملنے کو وہ آمادہ تھا / ہائے ای وہم غلط کتنا میں دور افتادہ تھا!!
وہ دل سوزاں کے ٹکڑے آنسوؤں میں آ گئے!! / صاف پلکوں پر گماں کا وہ آتش زادہ تھا
حال دل کیا اوس سے کہتا دل ہی میں جسکا گھر / گو نہ سودائی ہو عاشق پھر بھی کتنا سادہ تھا
دل کہاں تھا جذب دل پر ہیچ کرتا اعتماد / میں تو اک دلسوختہ دل باختہ دل دادہ تھا
توڑنا مینائے مے کا دل شکن کیونکر نہ ہو / محتسب کو کیا ہوا تھا میں تو مست بادہ تھا
تلخ کام ہجر کا کیا پوچھتے ہو حال اب / رات شاید زہر کھانے کیلئے آمادہ تھا
سجدۂ جوش ندامت بھی کرامت ہو گیا / موج آب گریۂ غم پر رواں سجادہ تھا
دل ترا صد پارہ کیوں ای شانۂ زلف صنم!! / میری صدموں کا بہلا کیا میں تو دور افتادہ تھا

جوش اثر

دیکھنا جانب گردوں تو ترے نالاں کا / ہائے کیا جوش اثر حسرت تاثیر میں تھا
نالۂ عرش فگن کا بھی مزا اب چکھے / کر چکا ابن قزاح فلک پیر میں تھا
ہاں بھرا ہے واعظ مشفق میرے تقصیر معاف!! / وہ بیاں دو ہے [illegible] میں تھا
[illegible] فشار لحد کی یاد ہم آغوشی یار / خوابیدہ آرام عذاب بھی تقدیر میں تھا

سمجھ مومن کے یہ معنی تھے کہ تا قید حیات پاؤں زنجیر میں دل زلف گرہ گیر میں تھا
تا دم مرگ نہ آسی کو میسر ہو وصال کیا ہی طالع بدبخت جواں میرا تھا

قصۂ ماضی

غیر موسی کون ہمدم وادی ایمن میں تھا جو رہا وہ بھی نشۂ صہبائے مرد افگن میں تھا
اس تمنا میں کہ شاید انکے دل تک راہ ہو اس عداوت پر بھی میں سعیٔ دل دشمن میں تھا
خون ناحق گردنوں پر کیوں لیا منصور کا مدعی قول انا الحق کا رگ گردن میں تھا
ہائے وہ جلوہ وہ انداز ہجوم اہل دید! ایک موسی زار گویا دل کے ہر روزن میں تھا

کون ہو حسرت کش تدبیر اسے وقت شعور! کیا نہیں اب وہ جو ضامن ترقی کا بچپن میں تھا!
جو نہ اٹھ آسماں سے اٹھا لیں ہم وہ بوجھ کیا وہ قوت سر میں تھی کیا زور گردن میں تھا
یا رب انصاف ستم اونکا شب غم تھا ضرور شور محشر نالۂ ہائے آسمان افگن میں تھا
کس کے پیکان دل افزا کا سیا تھا اس نے زخم جوش آب زندگانی چشمۂ سوزن میں تھا

سچ جو یہ شہرت نہ تھی آسی کہ مرنا ہے وصال
کیوں قرار آیا تجھے مدفن [illegible]

محنتِ طلب

شان کرم تھی یہ بھی اگر وہ جدا ہوا　　کیا محنتِ طلب میں نہ حاصل مزا ہوا
میں اور کوئے عشق ہیں میری او رنصیب　　ذوقِ فنا خضر کی طرح رہنما ہوا
شایان درگذر ہے اگر اضطراب میں　　جرمِ درازدستیٔ ذوقِ دعا ہوا
اوس کا پتہ کسی سے نہ پوچھو بڑھے چلو　　فتنہ کسی گلی میں تو ہوگا اوٹھا ہوا

اتنا تو جانتے ہیں کہ عاشق فنا ہوا　　اور اس سے آگے بڑھ کے خدا جانے کیا ہوا
پہچانتا وہ اب نہیں دشمن کو دوست سے　　کس قید سے اسیرِ محبت رہا ہوا

سرِّ حقیقت

پوچھتے ہو کہ سرِّ وحدت کیا!　　ماسوا کی بھلا حقیقت کیا!
واعظو اوسکو دیکھ لو پہلے　　پھر کہو حور کیا ہے جنت کیا!
نقدِ ہستی نثار یار کرے　　یہ نہیں ہے تو پھر محبت کیا!
عاشقی میں ہے محویت درکار　　راحت وصل و رنج و فرقت کیا!
نہ گرے اوس نگاہ سے کوئی　　اور افتاد کیا مصیبت کیا!

اور ہمت بلند کر اے شیخ | طمع و خوف کی ریاضت کیا!
اوس سے مل جو ہمیشہ ساتھ رہے | بیوفاؤں سے لطف صحبت کیا!
ملنے والوں سے راہ پیدا کر | اوسکے ملنے کی اور صورت کیا!
آسی مست کا کلام سنو | وعظ کیا پند کیا نصیحت کیا!

نتیجۂ الفت

جز فنا راہ رہائی نہ اوسے ہاتھ آئی | جو ترے دام محبت میں گرفتار ہوا
آپ بھیجا مجھے اور آپ بلایا تم نے | بار احسان سے کسی کی نہ گرانبار ہوا
ہمت اوسکی ہے دل اسکا ہے جگر اسکا ہے | جان کو بیچ کے تیرا جو خریدار ہوا
بک گئے روز ازل پیر خرابات کے ہاتھ | ہم ہوئے تم ہوئے یا آسی میخوار ہوا

حدیث نفس

ہم نہیں جانتے قیامت کیا! | آج اگر تم ملو قباحت کیا؟
کوئی تیرے سوا کہیں ہے ہی | بدگمانی کی مجھ سے علت کیا!
بس تمہاری طرف سے جو کچھ ہو | میری سعی اور میری ہمت کیا!

جاتے ہو جاؤ ہم بھی رخصت ہیں — ہجر میں زندگی کی مدت کیا
جن میں جز چاہ نہ کچھ تمہارا ہو — ایسے احباب ایسی صحبت کیا
یوں ملوں تم سے میں کہ میں بھی نہ ہوں — دوسرا جب ہوا تو خلوت کیا
گوشہ گیری حدیث نفس کیساتھ! — دل ہی مجمع میں ہے تو عزلت کیا

مستثنیات الفت

بدرقہ راہ طلب میں نہیں ہمت کے سوا — راہبر کوئی نہیں جوشش محبت کے سوا
اور کیا چاہتی ہے آرزوی دل آون سے — کچھ نہیں حسن کی سرکار میں حسرت کے سوا
کچھ خبر کوچہ جاناں کی ہی ہے اے واعظ — عشق بازوں کی ہے جنت تری جنت کے سوا
نظر و ناظر و منظور نہ جب ایک ہوئے — کیا ملا روز قیامت میں ندامت کے سوا
تابع خواہش محبوب ہو خواہش جسکی — رنج پاس اسکو نہ آئے کبھی راحت کے سوا
حسن صورت کے لئے خوبی سیرت ہے ضرور — گل ہی جس میں کہ خوشبو ہو نہ رنگت کے سوا
پوچھتے ہو شہ جیلاں کے فضائل کیا ہی
ہر فضیلت کے وہ حامل ہیں نبوت کے سوا

گفتار مصطفےٰ

ای دل تو فرش رہ ہو کہ آخر خیال نے — کھینچی شبیہ جلوۂ رفتار مصطفےٰ
جل بھن کے خاک ہو گئے دل ہائے غیر — اے آبروے شعلہ رخسار مصطفےٰ
ممکن نہیں کہ شاہد وحدت ہو جلوہ گر — جب آنکھوں پر ہو پردۂ انکار مصطفےٰ
پھر ہمسری کسی کی کہاں خوش آتی ہے — اپنا ظہور خاص ہے اظہار مصطفےٰ
قابل درود پڑھنے کی ہیں دسگی تیجھے — آسی ہے بلبل گل رخسار مصطفےٰ

خرام جلوہ

اوسی کے جلوے تھے لیکن وصال یار نہ تھا — میں اوسکی واسطے کس وقت بیقرار نہ تھا
خرام جلوہ کی نقش قدم تھے لالہ و گل — کچھ اور اس کے سوا موسم بہار نہ تھا
دفور بیخودی بزم مے نہ پوچھو رات — کوئی بجز نگہ یار ہوشیار نہ تھا
وہ کون نالۂ دل تھا قفس سے نکلا تھا — کہ شغل تیر نظر آسمان شکار نہ تھا

تو محو گلبن و گلزار ہو گیا آسی
تری نظر میں جمال خیال یار نہ تھا

نیازِ عشق

غمزے ہیں جس میں حسن کے عشق ہے اوس نگار کا
چوٹ ہے جس میں عشق کی حسن ہے میرے یار کا

گردن جان جھکائے ہے کس لئے ہر نیاز مند
موت بھی کوئی وار ہے خنجرِ نازِ یار کا

محشرِ وعدہ آ ابھی بات ہے اس میں بھید کی
خون تو اپنے سر نہ لے کشتۂ انتظار کا

خوش گھر دل کو پیسکر گردش آسیائے چرخ
سرمہ بناتی رہتی ہے دیدۂ اعتبار کا

ڈھانی تھی جا کے قصرِ چرخ ہستیٔ غیر کی بنا
کشتۂ امتیاز ہوں دیدۂ اشکبار کا

دل کی کشود ہوتے ہی جلوہ بے حجاب تھا
دل سے ابھی ہٹا نہ تھا برقع روئے یار کا

آہ نامراد پر ہے وہی جلوہ جس سے ہے
مطلعِ آفتابِ حشر ذرہ مرے غبار کا

عہدِ عشق

درد دل لطفِ زندگانی ہے — غم سبب عیش جاودانی کا
نہ نمک عشق کا نہ زخمی دل — کچھ نہ پایا مزا جوانی کا
غیر کا اب گذر نہیں دل تک — عشق عہدہ ہے پاسبانی کا
دہن تنگ یار کا حلقہ — دور ہے جام لن ترانی کا
آبرو ہو جو دل میں رقت ہو — دیکھ ہوتی ہے قطرہ پانی کا!
ہم تو آسی اُنہیں بلا لائیں — کیا ہے سامان میہمانی کا

تصویرِ آب

گلوئے خشک خواہاں ہے دمِ تکبیر پانی کا — ذبیحے سے نہ کر تحمل ہی دمِ شمشیر پانی کا
مری کشتِ امل پر ابرِ رحمت ہی اگر برسے — تو بجلی سے اثر بدلے مری تقدیر پانی کا
[illegible] خود بخود سرسبز رہتا ہے — نہیں محتاج تحمل گلشن تصویر پانی کا
مقدر میں ہو یوں سب کچھ مگر تدبیر لازم ہے — کہ اک قطرہ نہیں ملتا بغیر تدبیر پانی کا
کسی سائل کو کیا پھیری جو خود دریا سائل ہو — لگا یہ دل میں آکر شعلہ تقریر پانی کا
ہم اپنی تشنہ کامی کی شکایت کیا کریں آسی — گیا شانی گلو سے حضرت شبیر پانی کا

حدِ حیرت

لالہ و گل کا یہ دیوانہ تماشائی نہ تھا — باغ میں ہر پھول تیرے حسن کا آئینہ تھا

حسن پھر کس کام کا جب چاہنے والا نہ ہو! — سچ ہے تجھ سے دلربا کو لطف تنہائی نہ تھا

حدِ حیرت دیکھنا تھا یہ بھی آرائش کیساتھ — آئینہ خانہ میں وہ محو خود آرائی نہ تھا

شرط تھا راہِ طلب میں آبلہ فرسا قدم — بے سبب نالوں کو ذوق چرخ فرسائی نہ تھا

رو کے اس سے پوچھتا تھا "کب قیامت آئیگی" — کس طرح کہئے کہ وہ تیرا تمنائی نہ تھا

دانۂ تحریر

نہیں رہتا ہی بے پہونچے ہوئے تقدیر کا دانا — لب سوفار تک پہونچا دل نخچیر کا دانا

جو دانا ہو تو دیوانوں کے قدموں سے لپٹا رہے" — مسلسل یہ صدا دیتا ہے ہر زنجیر کا دانا

حقیقت دار کے اوصاف کیا ہوں بے حقیقت میں — کہاں ہے قابل نشو و نما تصویر کا دانا

بہ بانِ آسیا پائے توکل کو نہ لغزش دی — کہ منھ میں آرہیگا خود بخود تقدیر کا دانا

مزا کیا جبکہ دانے کیلئے کی آبروریزی — ہمیشہ مجھکو دینا اے خدا توقیر کا دانا

کبھی تدبیر سے غیر از مقدر مل نہیں سکتا — جو ہے تقدیر کا دانا وہ ہے تدبیر کا دانا

کتابت پیشہ کی روزی بھی کیا معلوم ہوتی ہے — سوائے نقطہ کیا ہے خامۂ تحریر کا دانا

غمِ الفت

خار خارِ غمِ الفت کی اگر حد ہوتی
روکشِ وادیِ مجنوں نہ مرا گھر ہوتا

دل ہی سینے میں نہیں کون کرے بیتابی
لاکھ صدمے دو مجھی میں نہیں مضطر ہوتا

چشمۂ خور میں نہ کیوں محو ہو مثلِ حباب
ایک ذرہ نہ تری حکم سے باہر ہوتا

عرش پر کہئے تو اثبات مکاں ہوتا ہے
کیا فلک بھی مرے سینے کے برابر ہوتا

چاہنا تھا کسی خوش چشم کو اے حسرتِ زخم
موئے مژگاں رگِ جاں کو لئے نشتر ہوتا

مژدۂ حسنِ قبول

ہم تو ڈرتے تھے کہ ہر حکم قضا نے بھیجا
بارہا اے بت تیری کوچے میں خدا نے بھیجا

موقعہ کسبِ کمالات وہاں کس کو ملا
وہی اچھے جنہیں دنیا میں خدا نے بھیجا

خرقۂ فقر کے رتبے عرفا سے پوچھو
یہ وہ جامہ ہے جسے آلِ عبا نے بھیجا

عاقبت بیں وہ نہیں جنکو فلک پر ہیں دماغ
خاک میں ملنے کو دنیا میں خدا نے بھیجا

تیری کوچے میں جسے محو ہوس تھی قصو
کس جہنم میں اسے حرص و ہوا نے بھیجا

تمام سے تا بہ سحر دیکھے ڈیٹی اوس در پر
مژدۂ حسنِ قبول اپنی دعا نے بھیجا

اسی [illegible] لائق فرخ بھی نہ تھا
[illegible] بھیجا

تلخیٔ تقدیر

توبہ سہی بڑھ کے ذوقِ لبِ لالہ گوں ہوا
مینائے ہی میرے لئے مینائے خوں ہوا

میں اور زہرِ تلخیٔ تقدیر پسند کو
اے دوست تو ہی دشمنِ صبر و سکوں ہوا

یوں دل سے گھر کو چھوڑ کے ہوئی بھاگ جاتے ہو
کیا ظلم تیرا اے مرے صبر و سکوں ہوا؟

لاکھوں ہی آرزوئیں تھیں جو قربح ہو گئیں
صبح شبِ وصال بڑا کشتِ خوں ہوا

ناوک فگن کی چشمِ توجہ کہاں نصیب
سینے میں دل بھی حسرتِ صید زبوں ہوا

فرہاد میری راہِ طلب کی صعوبتیں!!
ایک ایک سنگریزہ یہاں بے ستوں ہوا

رنگِ شفق سے نوکِ قلم کا مقابلہ!
گویا کہ آسمان بھی دریائے خوں ہوا

ممنون خاک سجدہ ہوں دیدۂ گاہ دید
داغِ جبین خضر کی طرح رہ نموں ہوا

ذلت اگر دلیل کمالاتِ عشق ہے
آ ہم سے بڑھ کے کون ذلیل و زبوں ہوا

خرمنِ حاصل

پسند آئے تو لیلو دل ہمارا
مگر دل پھر بھی کس قابل ہمارا

نہیں ہوتا کہ بڑھ کر ہاتھ رکھ دیں
تڑپتا دیکھتے ہیں دل ہمارا

دلِ گردوں سے لیکر تا دلِ دوست
گیا نالہ کئی منزل ہمارا

متاعِ گرمیِ بازارِ جاں ہے — وہ برقِ خرمنِ حاصل ہمارا
وہ کاش اتنا قیامت میں تو پوچھیں — کہاں ہے آسیؔ بیدل ہمارا؟

سراپا اضطراب

اہلِ ہمت کا کبھی بیجا نہ دیکھا اضطراب — زندگانی ہے مرا موجِ دریا اضطراب
بعدِ مردن ہو تو ہوائے پندگو یہ تجربہ — عشق بازوں کا سکوں بھی ہے بلا کا اضطراب
اضطرابِ کلفتِ ناکامیٔ دل آرزو — موجۂ طوفانِ زہر آبِ تمنا اضطراب
کیا امیدِ زندگی اب آسیؔ بیتاب کی — جانگسل آزارِ الفت روح فرسا اضطراب

کیا ہمیں چلنا نہیں ہے جانبِ ملکِ عدم — دم تو لے اے شرارِ جستہ اتنا اضطراب!!
حشر کا میدان اور آواز میں جانِ آرزو — وہ سراسر فتنہ یارب یہ سراپا اضطراب

شبہائے عشق

رات ہے رات تو بس مردِ خوش اوقاتی کی رات — گریۂ شوق کی یا ذوقِ مناجاتی کی رات
تندیِ بادۂ جلوہ میں ہے روزِ محشر — ہم گدایانِ درِ پیرِ خرابات کی رات

کچھ ہمیں سمجھینگے یار روز قیامت والی
جسطرح کٹتی ہے امید ملاقات کی رات

گریۂ غم ہی کہ ساون کی جھڑی تا دم صبح
کوئی موسم ہو یہاں رہتی ہے برسات کی رات

شب دیجور ہے یا ظلمت ایام فراق
کیا لکھی تھی میری تقدیر میں آفات کی رات

سخت دشوار تھی معشوق و عاشق کی شناخت
وصل کی رات نہ تھی تھی وہ طلسمات کی رات

وقت آفت کو جھگڑتے ہیں جو داور تک
دن ستاروں کی فنا تھی ہے ذرات کی رات

اب تو بھولے نہ سمائینگے کفن میں آسی
ہے شب گور بھی اس گل کی ملاقات کی رات

بیان غم

وہاں پہنچکے یہ کہنا صبا سلام کے بعد
کہ تیرے نام کی رٹ ہے خدا کے نام کے بعد

گناہ گار کی بخشش تو صاف صاف یہ ہے
کہ لطف و رحم و کرم کیا پھر انتقام کے بعد

شب وصال بیان غم جدائی کیا
فضول ہے گلہ جسم التیام کے بعد

ابھی تو دیکھتے ہیں ظرف بادہ خواروں کا
سبو و خم کی بھی ٹھہریگی دور جام کے بعد

طلب تمام ہو مطلوب کی اگر حد ہو
لگا ہوا ہے یہاں کوچ ہر مقام کے بعد

الٰہی آسی بیتاب کس سے چھوٹا ہے
کہ خط میں روز قیامت لکھا نام کے بعد

افکار آسی

نہ میرے دل نہ جگر پر نہ دیدۂ تر پر
کرم کرے وہ نشان قدم تو پتھر پر

صلاحیت بھی تو پیدا کر اے دل مضطر
پڑا ہے نقش کف پائے یار پتھر پہ

تمھاری حسن کی تصویر کوئی کیا کھینچے
نظر ٹھہرتی نہیں عارض منور پر

کسی نے لی رہ کعبہ کوئی گیا سوئے دیر
پڑے رہے ترے بندے مگر ترے در پر

پلا دے آج کہ مرتے ہیں رند اے ساقی
ضرور کیا کہ یہ جلسہ ہو آب کوثر پر

ان ابروؤں سے کہو کشتنی میں جان ہے ابھی
اسی کے واسطے خنجر کھنچا ہے خنجر پر

اخیر وقت ہے آسی چلو مدینے کو
نثار ہو کے مرو تربت پیمبر پہ

کشف حقیقت

(غزل مشاعرہ)

بلندی اوسکی اوسی کی پستی ہر ایک شی میں اوسی کی ہستی
عروج اوسی کا رسول ہو کر نزول اوسی کا کتاب ہو کر
وہ جسم تھا یا کوئی گل تر شمیم جس کی وہ روح پرور
جدھر سے گزرے بسا وہ [illegible]

بچھا کے دام فریب پیری کسی کو بے ذوق کر دیا ہے
کسی کو بلبل بنا لیا ہے، بہار باغ شباب ہو کر
شگوفہ تھا دل کی بے کلی کا لطیفہ تھا بس وہ عاشقی کا
ادھر سے نکلا سوال ہو کر ادھر سے آیا جواب ہو کر
میں دل سے اُس مشرب کا ہوں قائل جو میکدے میں پڑھے تہجد
لگائے مسجد میں نعرے ہو حق کے محو دور شراب ہو کر

فلسفۂ حقیقت

وہی جو مستوی عرش ہے خدا ہو کر — اتر پڑا ہے مدینے میں مصطفیٰ ہو کر
بجز تمہارے کسی کا وجود ہو یہ محال — مگر تمہیں نظر آتے ہو ما سوا ہو کر
نہ پوچھو تندی و تیزی محبت کی — جسے یہ نشہ چڑھا رہ گیا فنا ہو کر
مرا سفینہ تلاطم میں بحر عشق کے ہے — مزا تو جب ہے خدا آئے نا خدا ہو کر

آتش زار

ہم اور جوشش اسے قیامت — گرمی جلوے کی ہو فغاں ہو

خود شعلہ ہے ساز سوزِ شعلہ — کیوں جوشِ فغاں نہ ہو فغاں سوز
اس خلوتِ راز کے طلسمات! — جو راز کھلا وہ راز داں سوز
بلبل ہے کہ آسمانِ اندوہ! — نالہ ہے کہ برقِ آشیاں سوز!
وہ جانِ نزار آسی زار — وہ تابِ گداز غم تواں سوز

جوشِ طلب

(غزلِ مشاعرہ)

اوس سے مانگا بھی اگر کچھ تو اوسی کو مانگا — دیکھنا حوصلۂ ہمتِ سائل کی طرف
زور ہے جوشِ طلب کا کہ اوسی کی ہے کشش — خود بخود پاؤں اُٹھے جاتے ہیں منزل کی طرف
ترکِ دنیا تو ہے دنیا طلبی سے آساں — چھوڑ کر سہل عبث جاتے ہیں مشکل کی طرف
نسبتِ شرک بجز تہمتِ بیجا کیا ہے — دل ہے جب اُسکی طرف رخ ہے دل کی طرف

کون اس گھاٹ سے اترا کہ حبابِ آسی
بوسہ لینے کو جھکے ہیں لبِ ساحل کی طرف

ایک عالم ہے کہ مقتل میں ہے قاتل کی طرف — دھارِ خنجر کی فقط عاشقِ بیدل کی طرف
ہائے تم نالۂ پُر درد ہمارا نہ سنو — گوشِ گل ہے ہمہ تن شورِ عنادل کی طرف

گنج مخفی

لب طبیب آج تجھسے تیرے مستانے کی خاک
خوب پہچان اسے ہے یہ نوش ایمانے کی خاک

اب نہ دامن اوٹھائے نگاہ شمع رو
شعلہ زار سوز غم ہے تیری پروانے کی خاک

تیری ہی جلوے تھے جب توڑا بت پندار کو
لاکھ کعبے کا ہیولا ایک بتخانے کی خاک

ایکہ گوئی تابش ہر ذرہ از تاب خور است
مطلع نور خدا ہے ہر صنم خانے کی خاک

تا سحر وہ بھی نچھوڑی تو نے اے باد صبا
یادگار رونق محفل تھی پروانے کی خاک

بوالہوس تجھکو اگر تھی گنج مخفی کی تلاش
چھانتی تھی مثل آسی دل کے ویرانے کی خاک

افسانۂ دل

دلبر سے ملنے کی جو ہوس ہے تو دل کو ڈھونڈھ
راہ وصال یار ہے ذوق لقائے دل

دلبر کسی کو سمجھے تھے دشمن کسی کو ہم
دیکھا جو غور سے تو نہ تھا کچھ سوائے دل

کچھ بھی نہ آرزو ہو یہ ہے دل کی آرزو
کوئی نہ مدعا ہو یہ ہے مدعائے دل

آنکھوں جو ہیں بہشت تو دوزخ نصیب ہو
تیرے سوا ہو کچھ بھی اگر مدعائے دل

سو گشتہ ہے دلوں کی تجھے اے خدائے دل
دیتا ہو کچھ بھی تجھے تو نہ دینا سوائے دل

افکارِ دلنشین

اللہ رے نورِ جبہ شوق — سے رد تم ہو تو مہ جبیں ہیں ہم
دشمن سے بھی لو سے دوستی آئی — کس سے کہینگے بغض دلی ہم
آباد کرو بھی خانۂ دل — اچھا نہیں تم کہیں کہیں ہم
کہتے ہو کہ ہم کو کس نے ڈھونڈھا — جو ڈھونڈے ہے جہاں ملیں وہیں ہم
ایسی بھی نہ کر سکیں گے انکار — باتیں کہتے ہیں دلنشیں ہم

شکوۂ الفت

انکو کس منہ سے میں نظارگی دوست کہوں — صورت آئینہ حیراں ہوں انکو حیرت بھی نہیں
کسطرح کہیے کہ دیدار دکھایا اُس نے — باغ جنت بھی نہیں مژدۂ دنیا بھی نہیں
اوسکی کوچے میں کہاں کشمکش بیم و رجا — خوف دوزخ بھی نہیں خواہش جنت بھی نہیں
جذب کامل سوا اوسکو کھینچ لو ہم ای آسی — کیسے درویش ہو تم میں کرامت بھی نہیں

قوانینِ عمل

نہ کر ترک کل ہرگز کہ اکثر دیکھتے ہیں — [illegible]

جو حباب ہوا سبو مغز الفت سے کنارا کر
حباب بحر کو خالی ہی دیکھا آشنائی میں
قدم رکھے سالک راہ طلب کا اپنی آنکھوں پر
بسان نقش پا کامل اگر ہو رہنمائی میں
مٹا دیکھو گے دم بھر میں نشان ہستی موہمی
حباب آسا جو کھلجائینگی آنکھیں آشنائی میں

برا کیوں مانیں ہم جو ہیں جا بجا ہو شوق بیدلو
ہماری ہی نمائش ہے تمھاری خود نمائی میں
یہ بیہوشی کہاں کی ای شب غم صورت عیسی
مگر کیف مئے دیدار ہے رنج جدائی میں
عدو کو بھی ہماری طرح شیدا کریں یا رب
خدا نا کردہ کیوں فرق آ گیا دلربائی میں

معانی عشق

یار سے کہیے کہ فرقت ہی تو فرقت بھی نہیں
اور نسبت ہے یہی تیز تو وصلت بھی نہیں
ای تمنائے عیش ای میخانۂ دہر
جاؤ دورے رنگینی صحبت بھی نہیں
خاک بیزی رہ عشق میں یہ بات چھپی
جسکو ذلت نہیں اسکو کبھی عزت بھی نہیں
عین معنی ہے وہ دل سا عاشق معنی جو ہوا
ہاے وہ لوگ جو دلدادۂ صورت بھی نہیں

زبان حباب

حباب بحر یہ کہتے ہوئے اوپر ابھرتے ہیں
فنا دم بھر میں ہیں ہم آشنائی کا جو بھرتے ہیں

ہزاروں ہمیں ابر ہم میں آفتاب و شمع کا عالم
وہ جبتک آئی آئی آپ دنیا سے گذرتے ہیں

تناظر کی عدد ہے ہستی فانی ہے دیکھا دل
ہزاروں بلبلے ذرات پانی پر ابھرتے ہیں

کسی کشتی نشیں کی راہ تکتے ہیں مگر یہ بھی
سراپا چشم ہو کر کیوں حباب اوبھرتے ہیں

ذکر لسانی

غم دلبر کے سوا کچھ نہیں اصلا دل میں
جسکو خالی کروں غم ہی نہیں ایسا دل میں

میں کروں دعوی اخلاص و فا ای توبہ
سر میں سودا ہے ارم الفت دنیا دل میں

سوی دشت یکقدم ایک نگہ کیطرف
سر میں سودا ہے تو ملنے کی تمنا دل میں

کیمیا گر وہی درویش ہے میری نزدیک
ہوس زر کو کرے خوب جو کشتا دل میں

نور کے واسطے ظلمت ہی مقدم شاید
پتلیاں آنکھوں میں ہیں اور سویدا دل میں

طے کسی نے نہ کیا ذکر لسانی سے سلوک
صورت رشتۂ سبحہ ہے یہ پھندا دل میں

گل یوم ہو فی شان کی نیرنگی ہے
دیکھ تو کیا نظر آتا ہے تماشا دل میں

کار امروز بفردا مگذار اے آسی | آج ہی چاہیے اندیشۂ فردا دل میں

حسن تعلیل

حیا جنکو خدا نے دی بگڑنے میں سنورتی ہیں | ابھی غیرت سے رنگ اُڑتے ہی نہیں چہرے نکھرتے ہیں
زبانِ خنجرِ بے آب قاتل سے سنا ہم نے | مسافر قلزمِ غم کے اجل کی گھاٹ اترتے ہیں
جرس کس طرح نالاں ہے نہیں اپنے منہ کی دیتے | جو سالک ہیں وہ روزے رکھکے طے یہ راہ کرتے ہیں
وہ کیا صدمے ہیں جو ہدیہ کر دیتے ہیں اک اک کو | برنگ اشک ہم یاروں کی آنکھوں سے گرتے ہیں
بہت گردش ہی بھی پھر جاتی ہے آئی ہوئی روزی | یہی پھر پھر کے سنگ آسیا فریاد کرتے ہیں

خواہش عشق

خدا سے ترا چاہنا چاہتا ہوں | مرا چاہنا دیکھ کیا چاہتا ہوں
ترے کوچے کا رہنا چاہتا ہوں | مگر غیر کا نقش پا چاہتا ہوں
کہاں رنگ حدت کہاں ذوق لذت | میں اپنے کو تجھ سے جدا چاہتا ہوں
برابر رہی حد یار و [illegible] | کسی کو میں بے انتہا چاہتا ہوں
سوا اسکے میں کیا کہوں تم کو آسی | کہ درویش ہو تم دعا چاہتا ہوں

جذبۂ دل

ایک جلوے کی ہوس وہ مرحلت بھی نہیں | کچھ محبت نہیں ظالم تو مروت بھی نہیں
جو دیا تو نے وہ سر تیرے لئے کھو بیٹھے | شکر اسکا جو نہیں ہے تو شکایت بھی نہیں
زہد و تقویٰ و صلاح و ورع و حسن عمل | کچھ نہیں مجھ میں مگر کیا تری رحمت بھی نہیں؟
کبھی آسی سے ہم آغوش نہ دیکھا تجھکو | اثر جذبۂ دل اہل محبت بھی نہیں

استفہام عشق

جائے حیرت ہے طلسم اتحاد حسن و عشق | آئینہ جب دیکھتی ہیں ہم تجھے پاتی ہیں کیوں؟
آرزو یہ ہے تمہارا دامن آنکھوں سے لگے | کچھ سمجھتے ہو کہ ہم روتی ہوئی آتی ہیں کیوں
روز بازار جزا ہے اور خالی اپنا ہاتھ | جب بہانا تھا نہ بہی آج بہتی ہیں کیوں
تنگنائے دہر وادی کوچۂ جاناں نہیں | قید خانے سے نکلتے پاؤں پھیلاتی ہیں کیوں

عرض عشق

ہوں گنہگار مگر حسرت دیدار نہ پوچھ | جلوہ تیرا ہو تو دوزخ بھی ہے جنت مجھکو
نور خورشید ستاروں کو مٹا دیتا ہے | تم ہو پہلو میں تو محفل بھی ہے خلوت مجھکو

بدحجابی کبھی ممکن نہیں جبتک ہوں میں — خلل انداز ہوں کر دیجیے رخصت مجھکو
اب تو دیدار دکھا دیجیے تقصیر معاف — ہوگیا وعدۂ فردا بھی قیامت مجھکو
عشق میں کوہ کنی کوئی بڑی بات نہیں — پاؤ گے تجربے ساحل ہمت مجھکو

حقیقت

عشق سے عشق محبت سے محبت مجھکو — اسقدر ذوق بلا شوق مصیبت مجھکو
میں بھی باطل، مری ہستی بھی سراسر باطل — یہ نظر آئی انا الحق کی حقیقت مجھکو
وہ نہ بینا کیوں سے خوش نہ ہو بینائی سے — ہو گئے غیر کے اعمال نصیحت مجھکو
کوئی محبوب سے کوئی بھی نکل سکتا ہے — اثر اوہام ہوئے وادئ غربت مجھکو
کیا خبر تھی کہ انہیں کے ہیں کرشمے سارے — شکوہ غیر کی ہے انسے ندامت مجھکو

آبِ زندگانی

در پیر مغاں میں جا بیٹھے اے دل تم اگر ہو — وہ ہے مے نوش جو نور نگاہ چشم ساغر ہو
کوئی دن تو پلائیگا اور گر کچھ تو بو منہ سے — در پیر مغاں پر سے پیو تو چل کے بستر ہو
پھر صورت طلب لازم ہے آب زندگانی کی — اگر پایا خضر تم ہو نہیں پایا سکندر ہو

تمہاری ہی بدولت ہے یہ ساری زندگی ہستی وہ دن بھی ہو کہ تم ہو ہم ہوں دور جام کوثر ہو

استفہام نیاز

(غزل مشاعرہ)

تمہیں سچ سچ بتاؤ کون تھا شیریں کی صورت میں
کہ مشت خاک کی حسرت میں کوئی کوہ کن کیوں ہو!

کرشمہ کچھ نہ ہوا اس میں جو تیری چشم میگوں کا
شراب جلوۂ حسنِ عناصر فگن کیوں ہو

خرام ناز بھی سرجوش برق طور ہے شاید
کسی کا نقش پا جام مئے موسیٰ فگن کیوں ہو!

نہ مشق پردہ داری ہو اگر بیتابیوں میں بھی
یہ دردِ دل نقاب جلوۂ عاشق فگن کیوں ہو

کسی پروانے کے جل بجھنے کا غم ہو جو اسے آسی
نکل کر کوئی خلوت سے چراغ انجمن کیوں ہو

چاشنی حسرت

صاف سمجھا ہے کہ غنچوں نے لہو تھوکا ہے
موسم گل میں الٰہی کوئی دلگیر نہ ہو

جسکو دیکھا اوسے چھاتی سے لگا کر دیکھا
دل جسے کہتی ہے خلقت تری تصویر نہ ہو

ہائے اوس شخص کی قسمت جو ترستا رہ گیا ملنے
جز ترے ملنے کے جسکی کوئی تدبیر نہ ہو

ماحصل صحبت غمناک نے غم کیا ہے!
دل مرا لیتے ہو ڈرتا ہوں کہ دلگیر نہ ہو

کوئی جاناں سے ارادہ ہے کہیں جانے کا
یا الٰہی کوئی جز موت گلوگیر نہ ہو!

جسنے منھ بند کیا رات مری نالوں کا
لذت چاشنی حسرت تاثیر نہ ہو

سوال عشق

جان دو دن کی ہے مہمان ستاتے کیوں ہو؟
آپ روتے ہوئے آئے ہیں رلاتے کیوں ہو!

ہم سے بے بخت ہیں اٹھینگے دہوئیں کی صورت
دیکھو پھر روؤ گے محفل سے اٹھاتے کیوں ہو!

ہم نہ تابوت عدو ہیں نہ رہ و رسم وفا
آپ اودھر جا ملینگے ہم کو اوٹھاتے کیوں ہو؟

جلتے جی پھر کے صنم تمنے تو سونے نہ دیا
آج تربت میں مجھے آکے جگاتے کیوں ہو؟

دل ہمکو ازل میں تو کسی سے نہ کہا
رو گئے دیکھ کے آنسو جو اتنے چھپاتے کیوں ہو

خاک نشینی جو نکلتے ہیں تو آگ ہیں شعلو رنگ
لا کے یوں دامن ترپا تو ہوا سے یہ ہلاتے کیوں ہو

معیارِ محبت

دل بے مدعا پایا جو دولت ہو تو ایسی ہو — خدا سے پھر نہ کچھ مانگا قناعت ہو تو ایسی ہو
فرشتے سر جھکاتے ہیں تیری سجدہ گہ کو تو اے صبح — سُن اوس کی کہ پتلے آدمیت ہو تو ایسی ہو
نہ دن کو چین ملتا ہے نہ نیند آتی ہے راتوں کو — کسی کے حال پر اونکی عنایت ہو تو ایسی ہو
تعجب ہے کہ تجھکو اپنے سینے میں نہ کیوں ڈھونڈھا — کسی کو اپنی ہستی سے جو غفلت ہو تو ایسی ہو
پکارا اوس نے اپنا نام لیکر آسی کو — نہیں اب کچھ بھی غیریت محبت ہو تو ایسی ہو

دیدۂ سرشک

ہائے اک چاند کی خاطر سے ستاروں کی طرح — مدتوں شام سے تا صبح جگایا ہم کو
دیکھیے خاک میں ہم ملگئے مانند سرشک — آپ نے کس لیے آنکھوں سے گرایا ہمکو
لاغری میں تری صدقے کہ تنکا سمجھ کر تنکا — پھر کہیں جب آنکھیں تو آنکھوں سے لگایا ہمکو

نالۂ حسرت

اسطرح صورت سے لپٹ جو تقریر نہ ہو — سن آسی سے شیدا غزل میری نہ ہو
ٹکڑے ہو کر جو ملی کوہ کن و مجنوں کو — کہیں میری ہی وہ ٹوٹی ہوئی زنجیر نہ ہو

وہ بھی کچھ عشق ہے جو درد کی لذت نہ چکھے	وہ بھی نالہ ہے جو حسرت کش تاثیر نہ ہو
کارساز ابھی آسی کی دعا ہے تجھ سے	کام اُس کا کوئی منت کش تدبیر نہ ہو

کوزۂ عشق

کہیں کنارہ ہے اُسکے محیط ہمت کا	جو عین پیاس میں سمجھے سراب دریا کو
کہاں دل اور کہاں اُسکے حسن کا جلوہ	کیا ہے عشق نے کوزے میں بند دریا کو
کمی ہے جوش جنوں میں نہ پاؤں میں طاقت	کوئی نہیں جو اٹھا لائے گھر میں صحرا کو
بہار خلد ہے اندھوں کیواسطے شاید	کہ کچھ نظر نہیں آتا ہے چشم بینا کو
عوض نہ چرخ سے شکوہ نہ بخت دشمن سے	مگر نہ کام میں دیکھوں جو کارفرما کو
ہماری حسن پرستی محل طعن نہیں	کہ چشم قیس سے دیکھا ہے روئے لیلیٰ کو
میں سخت جاں نہیں جلادِ عشق تو ناحق	کیا شریک الم ہائے روح فرسا کو
ہم اپنے شکووں کی قوت سے بوالہوس ٹھہرے	کہ ہوش بحث کہاں عاشقان شیدا کو

محشر ہنگامۂ تمنا

ہوا کے رخ پہ ذرا آکے بیٹھ جا اے قیس	نسیم صبح نے چھیڑا ہے زلف لیلیٰ کو

تمام عمر کی تکلیف سے فراغت ہے
متاعِ بیش بہا جان جوشِ سودا کو

اگرچہ وعدۂ فردا ہے بے خلاف ضرور
مگر وہ چاہے تو امروز کر دے فردا کو

ہنوز تفرقۂ جلوہ کچھ نظر میں نہیں
پسند کیجیے کعبے کو یا کلیسا کو

ہمارے خانۂ دل کو اگر کیا برباد
کہیں جگہ نہ ملے گی تری تمنا کو

اگر قبول کرو جلوہ بے حجابانہ
دکھاؤں محشرِ ہنگامۂ تمنا کو

خبر تو لو کوئی آسی کو زندہ کس نے کیا
یہ معجزہ تو ملا تھا فقط مسیحا کو

معانی عشق

مجھے ہر طرح کی خود بینیوں سے کر دے بیگانہ
جو آئینہ بھی میں دیکھوں نمایاں تیری صورت ہو

ہماری دید میں فہمید میں ڈالے ایسی یک رنگی
کہ صورت عین معنی اور معنی عین صورت ہو

نہ ستاری کی شرم آئے نہ غفاری کی غیرت ہو
قیامت میں ترا بندہ ترے آگے فضیحت ہو

کہاں اکسیر سے بڑھ کر ہے دولت خاکساری کی
جہادِ نفس کا شاید یہی مالِ غنیمت ہو

خدنگ جلوہ

ہمت ہی تو راہ مختصر ہے — ای ننگ طلب بس اُٹھ کھڑا ہو
اللہ رے لذت شفاعت! — کیا جانو تم اسکو بے گنہ ہو
تدبیر خدنگ جلوہ کیا ہے؟ — دل تھامے ہوئے پڑے کراہو

کہتے ہو کہ اور کو نہ چاہو — معلوم ہوا کہ تم خدا ہو
اُن سے ملنا ہوا ہے مشکل — اے وہم عدو ترا بُرا ہو
تم اور دعائے مرگ عاشق! — کیا پھر وہ مرے جو مرچکا ہو!

طرز زیست

جو ہو سکے تو جیے اس طرح زمانے میں — کہ مر بھی جائے تو مرگ اوسکی زندگانی ہو

داغ غم

اے مثل شمع چشم نم کے ساتھ — جاتی ہیں رو دھو کے داغ غم کیسا تھا
مثل نے ہم عاشق نالاں بھی ہیں — نالہ دلکش ہے اپنا دم کیسا تھا

دست غم دست اجل سے کم نہیں — دم نکلتا ہے ہر ماتم کے ساتھ

اسرارِ نہانی

نہ سنتے تم جو دشمن کی زبانی — بہت دلچسپ تھی میری کہانی
بقا جس شے کو ہو وہ چاہتا ہوں — سُن اے تیرے سوا سب کچھ ہے فانی
کمالِ جلوہ ہے بے پردگی سے بڑھکر — بجا ہے یار تیری لن ترانی
علم کر خلد میں بھی خنجرِ ناز! — تصدق ہے حیاتِ جاودانی
دلِ شوریدہ اور اُن سے مکدّر — کہاں تک کہئے اسرارِ نہانی
ہزاروں حسرتیں اُٹھیں یہی تھیں — غبار اُس قافلے کی ہے نشانی
بھلا آسی کی شکووں کا گلا کیا — محبت کو ہے لازم بدگمانی

تدبیرِ عشق

جز فنا عشق کی تدبیر مقدر نہ ہوئی — زندگی موت سے آخر کبھی جانبر نہ ہوئی
ہائے منہ پھیر کے ظالم نے کیا کام تمام — وصل تو وصل جدائی بھی میسر نہ ہوئی
غیرِ محبوب حجابِ رخِ محبوب نہ تھا — مجھ سے تدبیرِ علاجِ دلِ مضطر نہ ہوئی

تم نہ تھے ہم سے جدا ہم بھی جدا تم سے نہ تھے
نہ ہوئی پھر جو ملاقات تو کیونکر نہ ہوئی؟

سالک راہِ فنا مجھ سے تعلی کی نہ لے
جان کسکو غم محبوب میں وہ بھر نہ ہوئی

زندگی کا نہ ادا خاک ہوا حق آسی
جان جب خاک رہِ آلِ پیمبر نہ ہوئی

عرضِ ہنر

خوف دوزخ نہ حرص جنت کی
بے غرض میں نے تجھ سے الفت کی

تجھ سے مل کر جو پھر بھی میں ہی رہا
مجھ سے دشمن نے کیوں محبت کی

پھر کہو گے کہ ہم نہیں بے رحم
آج دشمن نے بھی شکایت کی

عشق کا روگ ہے محبت خیر
غیر نے بھی مری نصیحت کی

ہم سے مشکل ہے وعدۂ فردا
بات کرتے ہو تم قیامت کی

حشر میں کون پوچھتا ہے کسے
قہر ہے دید خوب صورت کی

نہ غزل ہے نہ اس میں عرض ہنر
بڑھ رہے آسی یہ جوشش وحشت کی

خاک کیا کم ہے اصل طینت کی
دل میں کیوں پھوٹ ہے کدورت کی

نہ ہوا جو وطن سے آوارہ — تو نہیں اوس میں آدمیت کی
روح فرسا شباب کا غم ہے — کہ جوانی میں اسنے رحلت کی
جو گنہ کیجئے ثواب ہے آج — کیسی بارش ہے ابر رحمت کی
یا خدا اب تو جانِ زار کی خیر — آج پھر دردِ دل نے شدت کی
دیکھئے ٹوٹتا ہے دم کہ نہیں — آزمائش ہے آج طاقت کی

ادراک حقیقت

جو حلقہ ہے حلقہ ہو وہ پاکان ازل کا — آزادی کونین ہے زنجیر ہماری
تم کیا ہوئے قابو میں کہ قابو میں ہم آئے — تسخیر تمہاری ہوئی تسخیر ہماری
ہرگز حرکت اپنی ارادی سے نہ کرنا — چلتے ہیں تو چلاتی ہے زنجیر ہماری
پہچان لیا جلوہ گر خانۂ دل کو — آئینہ تمہارا ہے تعمیر ہماری
صورت میں پڑے سے جانکی اچھا ہو مصور — سنتے ہو جسے قیس ہے تصویر ہماری

آسی اگر ادراک حقیقت ہو میسر
ہے انفس و آفاق میں تاثیر ہماری

وہ اور جلد ہم سے یہ تقدیر ہماری — کچھ انکی خطا اسمیں نہ تقصیر ہماری
شنا گرد ہے کسکا فلک پیر ستم میں؟ — گردش میں ہیں تو استاد ہے تقدیر ہماری
دنیا میں اٹھالاتی ہے فردوس بریں کو — بدمستی صہبا وہ زاہد تقصیر ہماری

اعمال کی پرسش تجھے ہمکو یہ تفخر — رحمت تری بڑھ کر ہے کہ تقصیر ہماری؟

گلستان دل

آگئے وہ کہ پڑی جان دل بیجان میں — اٹھ چلے وہ کہ ادھر ہو گئی رخصت دل کی
ہو گیا ناف سویدا کرہ چرخ کبود — سینہ تنگ میں اللہ یہ وسعت دل کی!
کوچہ یار سے گھبرا کے نکلنا کیا تھا؟ — دل کو شکوے ہیں مرے مجھکو شکایت دل کی
شب ہجر اسکے تصور کو جگہ دوں کس میں — بیدلی میں کبھی پڑ جاتی ہے عادت دل کی
دیکھئے آنکھوں میں جا لی پڑے رو تو دو تو — اب تو چھین چھین کر نکلتی ہے کدورت دل کی

راستہ چھوڑ دیا آسنے ادھر کا آکر
کیوں بنی رہ گذر یار میں تربت دل کی

طلسم حسن

ایک عالم کی طلسمات میں جی چھوٹ گیا
ہر ادائے نگہ یار نیا عالم ہے

کیوں نہ دی جان کسی پر کہ نہ پھر ہوا تی
زندگی مفت گنوائی یہ بڑا ماتم ہے

عشق کہتا ہے کہ عالم سے جدا ہو جاؤ
حسن کہتا ہے جدھر جاؤ نیا عالم ہے

شعلہ زار سوز غم

کہتے ہو جان زار کو یہ مستعار ہو
دل پیشکش کروں تو کہو وا غدار ہے

کیا چیز تیری نذر کروں ای رسول یار
اپنی تو زندگی بھی یہاں مستعار ہے

فانی ہے گردش فلکی بھی ہمارے ساتھ
ساری ہمیں سے دشمنی روزگار ہے

ای شمع ایک شعلہ نے تجھکو کیا تمام
ہر قطرہ سرشک یہاں شعلہ زار ہے

ذوق ادا و ناز کہاں لیے خودی کہاں
اب تو شراب وصل بھی کچھ ناگوار ہے

دشمن کو فکر کیوں میری صحت کی پڑ گئی ؟
ای درد عشق اب تو ترا اعتبار ہے

مانند آہ قید گردوں سے چل نکل
ناحق اسیر کشمکش روزگار ہے

میخانے میں جو آی تو اتری فنا کی گھاٹ
شمشیر موج بادہ بہت آبدار ہے

مستی میں کوئی راز جو اسکی سو فاش ہو
معذور ہے ابھی کہ نیا بادہ خوار ہے

پامال حسرت

پھولنے پھلنے سے کیا واقف ہو سبزہ کس طرح
اس چمن میں ہے فقط پامال ہونے کیلئے

قطرہ ہائے اشک حسرت کو نہ لا حاصل کہو
مزرعِ امید میں دانے ہیں بونے کیلئے

قافلہ منزل کو جا پہنچا ہا گر مثل غبار
رہ گئے ہیں ایک ہم برباد ہونے کیلئے

دم جو ٹوٹا عاشق بیمار کا آئی صدا
ہائے کیا اُن سے ملے تھے جان کھونے کیلئے

صبح دم دم توڑتی تھی اور یہ کہتی تھی شمع
ہائے اس محفل میں ہم آئے تھے رونے کیلئے

رنج و غم کو واسطے احباب کی حاجت نہیں
آنکھ کب درکار ہے شبنم کو رونے کیلئے

چشم بصیرت

وہ کیا ہے ترا جسمیں جلوا نہیں ہے!
نہ دیکھے تجھے کوئی اندھا نہیں ہے

بصارت ملی ہے ان آنکھوں کو جب سے
سوا تیرے کچھ میں نے دیکھا نہیں ہے

نہ آئینہ دکھلا تو اے قلب صافی!
تصور کسی کا ہے سکتا نہیں ہے

سمجھتے ہیں جوشِ انا الحق کی موجیں
وہ قطرہ نہیں ہے جو دریا نہیں ہے

کمالِ ظہورِ تجلی سے حب نا
جو پنہاں نہیں ہے وہ پیدا نہیں ہے

وہ دل کیا جو دلبر کی صورت نہ پکڑے!
وہ مجنوں نہیں ہے جو لیلیٰ نہیں ہے

ہر اک طالب ہیں یہ طالب فنا کا | کہ جب ہم نہیں آپ دنیا نہیں ہے

نالۂ اسیر

گل و گلشن سے کبھی جی نہ لگائے | یہ صدا مرغ گرفتار کی ہے
ہائے وہ ہمنفسان گلشن | یہ صدا مرغ گرفتار کی ہے
ہائے وہ گلبن و گلشن کی بہار | یہ صدا مرغ گرفتار کی ہو
رشک گلشن ہوا الٰہی یہ قفس | یہ صدا مرغ گرفتار کی ہو
نکہت گل نہ صبا بھی لائی | یہ صدا مرغ گرفتار کی ہو

عرفان حقیقت

عداوت انتہائے دوستی ہے | عدوئے جاں ہے میرا یار جانی
نہ سمجھا میں تو دشمن ہی سمجھتا | محبت ہے خرابی کی نشانی
یہ دونوں ایک ہی ترکش کے ہیں تیر | محبت اور مرگ ناگہانی
تسلی گل کے دعدے پر غضب ہے | غم عشق اور امید زندگانی
بس اسی سیلاب اشک چشم تر سے | عناصر کی ہیں دیواریں گرانی

انا الحق اور مشت خاک منصور ضرور اوسنے حقیقت اپنی جانی

حسرت شفاعت

عجب حسرت سے آسی کہہ رہا تھا کل تمنا میں شفاعت ہوگی پہلی حشر میں یا مصطفےٰ کسکی

خنجر اشک

شغل پرواز سوے اوج فلک رسم کہن ہمت طائر بے بال و پر اشک نئی
بارہا صبر کے قلزم کو بہو دے خنجر کے ساتھ آج پھر جنگ ہوئی پھر ہو ظفر اشک نئی

آفات جنون

ابھی جنوں کچھ ہو سر سے سر پر وہی شامت آئی پھر پھنسا زلفوں میں دل پھر وہی آفت آئی
کبھی جی بھر کے وطن میں نہ رہے تم آسی روز میلاد سے تقدیر میں غربت آئی

تکرار اعتبار

ایذا فزوے ستم راحت اثر کر پرسش بیمار کر نقش تغافل سے [illegible]

عشق و ہوس میں حسن کو تمیز چاہیئے
مانو نہ مانو آگے تمہیں اختیار ہے

ہستی ہے عین موجۂ دریائے نیستی
درکار قوتِ نگہِ اعتبار ہے

بنیادِ روزگار کی نامحکمی نہ پوچھ
گنبد حباب کا تو بہت استوار ہے

سوائے ذوقِ جلوہ حجابِ نظر نہیں
جلوہ تو بہر اہلِ نظر بے قرار ہے

کیونکر ہوائے وصل کی جھوکوں میں اُڑ نہ جاؤں
ہستی تو کاروانِ نفس کا غبار ہے

اے رخشِ عمر تو نے گڑھے میں گرا دیا
آسی کو سنتے تھے کہ بڑا شہسوار ہے

دیدۂ بیخواب

اے فلک سارے دشمن تو سوئے غفلت دکھے
کس ستارے کو ملی ہے آنکھ سونے کیلئے

جز شبِ گور اب تو نیند آنا بہت دشوار ہے
بس وہی اک رات ہے فرقت میں سونے کیلئے

تمنائے الفت

وہ کہتے ہیں میں زندگانی ہوں تیری
یہ سچ ہے تو انکا بھروسا نہیں ہے

مری زیست کیونکر نہ ہو جاودانی
جو مرتا ہے اُس پر وہ مرتا نہیں ہے

ہزاروں ہی چلتے ہیں اُس گلی میں
نشانِ قدم کوئی پیدا نہیں ہے

نکل جائے دم اُن کی الفت میں آسی　　سوا اس کے اب کچھ تمنا نہیں ہے

موجِ نظر

زخمی ہوئے آسی کہیں پھر تیرِ نظر سے　　آتا ہے لہو آنسوؤں میں دیدۂ تر سے
رومال ہٹاؤ تو ذرا دیدۂ تر سے　　اشکوں میں نظر آتے ہیں کچھ لختِ جگر سے
برباد کیا جس سے جہاں آنکھ ملائی　　خاک اُڑتی ہے عالم میں تری موجِ نظر سے
باطن سے نہیں راہ تو کیا دیدۂ ظاہر　　آنکھ اپنی برابر نہ ہوئی چشمِ گہر سے
بے تابِ فنا جامۂ ہستی کو بنایا　　تارِ نگہِ مضطربِ چشمِ شرر سے
ہے کلکِ گہربار سے ثابت دمِ تحریر　　جو شاخ ہے جھک جاتی ہے وہ بارِ ثمر سے
آئینۂ طینت ہیں مگر اہلِ تماشا بھی　　بے ساعتِ دیدار نکلتے نہیں گھر سے
جس پر توکل تھی یہاں بھی ہے وہاں بھی　　فارغ دمِ رحلت ہیں غمِ زادِ سفر سے
آسی اسی حسرت میں مرے اور جئے ہم　　بے پردہ نظارہ ہو کہیں دیدۂ تر سے

چشم و ابرو

ایک دم میں ہزار فتنے اٹھے　　چشمِ حسرت غضب سخن گو ہے

جس کی کشتے ہیں زندۂ جاوید　　وہ تمہاری ہی تیغ ابرو ہے
دل جو بے مدعا ہو کیا کہنا　　یہی ویرانہ عالم ہو ہے
پُل بھی ہے فخر جون پور آسی　　خوابگاہ جناب شیخو ہے

راہِ طریقت

چار یاران نبی میں آسی　　تبعیت مجھے ہر یار کی ہے
طلب راہ خدا میں لیکن　　پیروی حیدر کرار کی ہے

آہ رسا

نہ عرش معلیٰ کچھ دھواں سا آج اوٹھا ہے　　خدا جانے لگا آئی ہو آگ آہ رسا کس کی

گومگو

قطرے میں کچھ نہیں پانی کے سوا کیا کہئے　　بات کہنے کی نہیں ہے بخدا کیا کہئے
ایک ہستی کے سوا کچھ بھی نہ جانا ہم نے　　اے نکیرین بھلا اور اسکے سوا کیا کہئے
ہم کہاں ہم تو ہیں معدوم مگر ہے کوئی　　کہدیں کچھ صاف تو ہوتے ہو خفا کیا کہئے

لالہ و گُل میں آسی رشکِ چمن کی ہے بہار — باغ میں کون ہے اے بادِ صبا کیا کہیے
آسی خاک نشیں ہے تو سہی کار ضرور — سگِ درگاہِ رشیدی ہے تو بڑا کیا کہیے

صہبائے کیفیت

سب میں آتی ہے نظر کیفیتِ عالم مجھے — ہر حبابِ بحر کا ساغر ہے جامِ جم مجھے
کاش یہ سمجھو کہ میں کس شوق کی تصویر ہوں — جب سے سمجھے ہو کر دی ہے صورتِ آدم مجھے
ذرّے ذرّے میں ترا جلوہ ہے جیسے آفتاب — دیکھنا رتبہ [illegible] دیدۂ پُرنم مجھے
سنگِ باران حوادث اور مجھ سا حباب — [illegible]
آلپٹ کر مجھ سے دونوں ہی زمیں کو دیا — آج کیوں اُس نے سنایا قصۂ آدم مجھے
روزِ رستا خیز بھی ہر خیال تازہ ہے — [illegible] ہیں دوسرا عالم مجھے
میں تو تجھ میں محو تو صرفِ منزلِ مبہم — تیرے عالم نے دکھائے لاکھوں ہی عالم مجھے
واقعی صہبائے ذوقِ جلوہ ہستی سوز ہے — وجد میں لاتی ہے آسی حالتِ شبنم مجھے

حسرتِ دیدار

[illegible]

دوستی اگر ملیں تو یہ ہے پوچھنے کی بات — دل ہی نہ ہو تو حسرت دیدار کیوں کرے
آسی کو بھی بنا ہی کے چھوڑا شراب نوش — جو پارسا ہو صحبت میخوار کیوں کرے

اقوالِ آسی

کچھ کہوں کہنا جو میرا کیجئے — چاہنے والے کو چاہا کیجئے
فتنے سب برپا کئے ہیں حسن کے — میری الفت کو نہ رسوا کیجئے
توسلِ تیغ جفا کا رک نہ جائے — آسے خون تمنا کیجئے
راہ تکتے تکتے آسی چل بسا
کیوں کسی سے آپ وعدہ کیجئے

کس کو دیکھا اُن کی صورت دیکھ کر — جی میں آتا ہے کہ سجدہ کیجئے
ایک وصل اُن کا وہ قسمت میں نہیں — اور جس شے کی تمنا کیجئے

ہو مسلّم وسعت ذوقِ نظر — قطرے میں جوش دریا کیجئے
نام گر درکار ہے مشکل نہیں — ایک گوشے میں جم کے بیٹھا کیجئے

کیفِ عشق

نہ کبھی کے بادہ پرست ہم نہ ہمیں یہ کیفِ شراب ہے
لبِ یار چومے تھے خواب میں وہی جوشِ مستیٔ خواب ہے
وہی پیشِ چشم ہیں ہر نظر مگر اب بھی شوق نقاب ہے
وہی میری ہر رگ و پے میں ہیں مگر اب بھی مجھ سے حجاب ہے
اُنھیں کبرِ حسن کی نخوتیں مجھے فیضِ عشق کی حیرتیں
نہ کلام ہے نہ پیام ہے نہ سوال ہے نہ جواب ہے

سرگذشتِ عشق

کبھی میری بھی تجھے چاہ تھی۔ ترے دل میں میری بھی راہ تھی
کبھی اس طرف بھی نگاہ تھی کہ یہ سب خیال ہے خواب ہے
دلِ مبتلا ہے ترا ہی گھر اسے رہنے دے کہ خراب کر
کوئی میری طرح تجھے مگر نہ کہے کہ خانہ خراب ہے
یونہیں اپنے کوچے میں رہنے دو نہ عبث اُٹھا کے ستا مجھے
[illegible] عتاب ہے

اگر آنکھ کھولو تو کچھ نہیں اثر وجود بجز فنا
ہے سواد ہستی محو بے بقا کہ بیاض چشم حباب ہے

چشم تصور

کھلے کس طرح آنکھوں کو جو اندھا کرتی
تجھ کو اے سحر کرم دل ہی میں دیکھا کرتے

عالم اک آئینہ خانہ ہے ترے جلوے کا
ہم جدھر دیکھتے آخر تجھے دیکھا کرتے

ہم ہی تھے محرم بے پردگی خلوت خاص
کچھ تجھے شرم بھی آتی نہیں پردا کرتے

دیکھ سکتا تھا کہاں شعلۂ اگر تنہا بھی
ہم تجھے چشم تصور ہی سے دیکھا کرتے

تو نے دعوائے خدائی نہ کیا خوب کیا
اے صنم ہم ترے دیدار کو ترسا کرتے

طلسم تربیت

کچھ نہیں ہوتا ہے جب تک کچھ نہ ہو
یہ طلسم عالم اسباب ہے

وصل میں ہو جائے گا تو تو ہی
ہر شب میلاد صبح کا سیلاب ہے

ڈوب جا اے غواص دریائے طلب
وصل جانان گوہر نایاب ہے

موت بھی پا نہ سکا زندگی کا علاج
میت اپنی کشتۂ سیماب ہے

قطرہ دریا کا سوایا ہو گیا — روئے چار آنسو جہاں پنجاب ہے

نالۂ زار

آج وہ ہیں مجمع احباب ہے — ایک مہجور آشتی بیتاب ہے
میرے جسم زار کا ہر رونگٹا — نالۂ زار وقت احباب ہے
اے وفور جوش آب دریائے وجود — ہجر میں دل ماہیٔ بے آب ہے
ذرہ ذرہ کوچۂ سفاک کا — محشرستان دل احباب ہے
دیکھئے حوریں دکھائی جاتی ہیں — امتحان عاشق بیتاب ہے
میری آنکھیں اور جلوہ آپ کا — یا قیامت آ گئی یا خواب ہے
چوٹ کھائی تم نے اے آشی مگر — کچھ نہ کچھ دل آج لذت یاب ہے

عرفانِ حق

سمجھا ہی یہ کہ ہر شے میں ہے جلوہ آشکار — اور سبھی گھونگھٹ یہ کہ صورت آج تک نادیدہ ہے
دیکھئے تشبیہ تیرے حسن کو کس چیز سے — ایک تو ہی دیدہ ہے تیرے سوا نادیدہ ہے
وادیٔ عرفاں میں دل نے ہمت ختم کی — نقش پائے ناتوان عارف لغزیدہ ہے

اتنے بتخانوں میں مسجد ایک کعبے کی عوض ‏ ‏ کفر تو اسلام سے بڑھکر ترا گرویدہ ہے
دم بخود رہنے دو کیوں رسوا ہو مجھکو چھیڑکر ‏ ‏ غیر دریا بلبلے میں اور کیا پوشیدہ ہے

دلِ آگاہ

حرص دولت کی نہ عز و جاہ کی ‏ ‏ بس تمنا ہے دل آگاہ کی
درد دل کتنا پسند آیا اسے ‏ ‏ میں نے کی جب ابتدا اس نے واہ کی
بس سلوک اوسکا ہے منزل اسکی ہے ‏ ‏ اسکے دل تک جسنے اپنی راہ کی
واعظو کیسا بتوں کا گھورنا ‏ ‏ کچھ خبر ہے تم کو رحمۃ اللہ کی
راہ حق کی ہے اگر آسی تلاش ‏ ‏ خاک رہ ہو مرد حق آگاہ کی

عروسِ فکر

کلام درد آگیں کی صفائی جان لیتی ہے ‏ ‏ عروس فکر آسی رونمائی جان لیتی ہے
دم نزع رواں اچھی طرح ثابت ہے مجھکو ‏ ‏ فرشتے بن کے بھی تیری جدائی جان لیتی ہے
زبان موج ہر پھیر کر یہ کہتی ہے حبابوں سے ‏ ‏ ہوا سرکشی کی سر میں جب سمائی جان لیتی ہے
جو مرتا ہے سو مرنے میں بھی آسی تو یہ کہتا ہے ‏ ‏ الٰہی انکی اتنی پارسائی جان لیتی ہے

شورِ حُسن

رہ ملکِ عدم کا نام سنکر دم نکلتا ہے
یہ وہ رستہ ہے جسمیں ہر مسافر مر کے چلتا ہے
بسانِ شمع سوزِ غم میں کیا اخفائے گریہ ہو
گلے کا ہار ہو جاتا ہے جو آنسو نکلتا ہے
پرایا حق وہ تنہا جاتا رہا جو ہاتھ سے تیرے
بسانِ آسیا ناحق کفِ افسوس ملتا ہے
ملایا خاک میں ناقدریوں نے اہلِ بینش کی
جو تِل اشک آنکھوں سے گرا وہ کب سنبھلتا ہے
اگر شورِ شباب اتنا ہوا اسکا تکبر کیا
گھڑی بھر دوپہر کا آفتابِ حسن ڈھلتا ہے
بسانِ شمع آخر آپ رہ جاتا ہے جل کٹ بنکر
کہیں آتش زبانی سے کسی کا کام چلتا ہے
جوانی گر نہیں پر ناتوانی ہے ضعیفی کی
ملے جو کوئی جسکی وضع بائستہ دل بہلتا ہے

درخت بار ور کی طرح تیھر رونا کھاتا ہوں — جنون نخل قد یار مجھکو خوب پھلتا ہے
اُن آنکھوں کی قسم کچھ گرمی دل کم نہ ہوتی تھی — خیال چشم فتّاں گر نکھا بھی چھلتا ہے

فتنہ زار حشر

وصل ہی پر دل میں اتنک ذوق غم پیچیدہ ہے — بلبلا ہے عین دریا میں مگر نم دیدہ ہے
دل کی وہ وسعت کہ نقطے سی بھی کم سا آسماں تک — جسم یہ لاغر خط وہمی سے جو کاہیدہ ہے
فتنہ زار حشر سب سمجھے ہیں جس میدان کو — دامن ناز نگہ کا گوشۂ جنبیدہ ہے
ہجر میں کیسا زمین و آسماں کا فاصلہ — جو ستارا ہے وہ داغ حسرت بالیدہ ہے
آدمی کی سرکشی غفلت ہی اپنی اصل سے — ذوق سجدہ قطرۂ افتادہ میں پیچیدہ ہے
دیر کیوں ہی اون جنت منزل میں لگی بعد — اتنو ظاہر ہے کہ میرا ہر عمل سنجیدہ ہے
دیکھکر محشر خرامی اونکی اب سمجھا ہوں میں — ذرّہ ذرّہ کاروان فتنہ خوابیدہ ہے
مُنھ لگاتا تھا کہ سب گرد کدورت دھوگئی — بادۂ گلگوں مزاج عاشق رنجیدہ ہے

حشر میں منھ پھیر کر کہنا کسی کا ہاے ہاے
وہ اسی گستاخ کا ہر جرم نابخشیدہ ہے

آئینہ خانہ

بے ترے جینے کی کس جی سے تمنا کرتے
مرنہ جاتے جو شب ہجر تو ہم کیا کرتے

کشتۂ ضبط نفس ہو نہیں افلاک شناہیں
یہ کہاں ہوتے اگر ہم کوئی نالا کرتے

حامل بار امانت ہو ظلوم اور جہول
اور کیا اس سے زیادہ مجھے رسوا کرتے

نہیں عکس آئینہ خانہ میں تو ذی عکس نہیں
وہی پنہاں تھے اگر ہم کو نہ پیدا کرتے

زندگی فرقت دلدار میں کیا اے آسی
مرنہ جاتے جو شب ہجر تو ہم کیا کرتے

یاد ماضی

حجاب گنج مخفی میں نہاں تھے
الٰہی ہم کہاں آئے کہاں تھے؟

بہار باغ ہستی تھی ہمیں سے
نظر سے گو برنگ بو نہاں تھے

نہ تھا معشوق جس میں غیر عاشق
عجب خلوت تھی وہ بھی ہم جہاں تھے

اوٹھے ہم اٹھ گیا پردہ دوئی کا
ہماری آنکھ کے پتلی ہم درمیاں تھے

ہوئے ظاہر بسان نور باطن
دل یار ہے وہ دل میں ہم نہاں تھے

رہی رات تو نکلو اگر سیر افلاک
مگر ہم تیرے آہ بیکساں تھے

جب اوس کوچہ کی حاصل تھی گدائی
خداوند زمین و آسماں تھے

کچھ ایسے نشۂ ہستی سے بہکے
نہیں جانا کہاں آئے کہاں تھے

نسبتِ عشق

انھیں کانوں سے انا الحق کی سنئے ہر دعوے
آدمی عشق میں کیا جانئے کیا ہوتا ہے

حسن کی چارہ گری کا ہی بڑا شور مگر
دردِ الفت کہیں محتاجِ دوا ہوتا ہے

غیر کو غیر جو کہئے تو غلط ٹھرا دے
اور کہئے کہ وہی ہے تو خفا ہوتا ہے

سوئے منصور انا الحق کی غلط نسبت تھی
کوئی کہدے کہیں بندہ بھی خدا ہوتا ہے

دلربائی تری ہر بار نرالی نکلی
واہ رے حسن کہ ہر جلوہ نیا ہوتا ہے

انتہا زمن و تو کچھ بھی نہ باقی رہتا
بادۂ جلوہ غضب ہوش ربا ہوتا ہے

محو و اثبات کی جھگڑے میں پھنسا کر ہم کو
دیکھیں کب لطف ترا عقدہ کشا ہوتا ہے

جسمیں دیدار ہو وہ بھی ہے قیامت کوئی
یہ قیامت ہے کہ وہ مجھسے جدا ہوتا ہے

غیر سے قطع نظر چاہیے شیدائی کو
حاصلِ خلوت و بزم ایک فزا ہوتا ہے

ذکرِ محبوب

دل عاشق میں قلق حد سے سوا ہوتا ہے
ذکرِ محبوب بھی اندوہ فزا ہوتا ہے

دشمن زیست جدائی ہو تو ملنا کیا ہے
قطرہ دریا میں جو ملتا ہی فنا ہوتا ہے

پھر گئے خلد کو آدم مگر ابلیس تو جائے
نہ بُرا سوچ کسی کا کہ بُرا ہوتا ہے

دل جو تھا خاص گھر اسکا نہ بنایا افسوس
مسجد و دیر بنایا کرو کیا ہوتا ہے

عشق کامل ہو تو مرشد نہیں ایسا کوئی
خود وہی قبلہ وہی قبلہ نما ہوتا ہے

ہمت شیخ کی صیقل کی بدولت آسی
یہی دل آئینۂ روئے خدا ہوتا ہے

حجاب حُسن

غلط ہو آسی یہ بدگمانی دہان کسی کا کدہ نہیں ہی
کہ آج تک تیری حالتوں کی کہیں کسی کو خبر نہیں ہی
وہ کیوں نہیں حسن کا تقاضا یہی ہے نہ کچھ حجاب میرا
نقاب اُلٹیں وہ بے تکلف کہ مجھ میں تاب نظر نہیں ہی
وصال و فرقت کی شکر و شکوے تو کیوں ہو دیدار کی تمنا
جو غیر اُسکے کسیکو دیکھے کبھی وہ صاحب نظر نہیں ہی
خفا نہ ہو مانو بات میری نہ راہ لو غیر کی گلی کی
یہیں ہی بیخود پڑا ہے آسی مگر کبھی بے خبر نہیں ہی

اتحادِ کامل

بسانِ عمرِ رواں کسی کو سفر نہ پیش آئے بیکسی کا
کہ راہ میں نقشِ پا نہیں میل رہ نہیں راہبر نہیں ہے
جو اپنے دم سے بھی آدمی کو نصیب ہو اتحادِ کامل
کسے نہیں خلوت انجمن میں وطن میں کسکو سفر نہیں ہے

معذوریٔ عشق

مدعائے نالہ ہائے بیتابی — سوتے ہیں وہ جگا نہیں سکتے
عشق کیسا تواں فزا نکلا — کسکے طعنے اوٹھا نہیں سکتے
لذت اک گونہ چاہیے مجھکو — کیا وہ دل بھی دُکھا نہیں سکتے
اُن کو دعوائے یوسفی آئی — خواب میں بھی جو آ نہیں سکتے

جادو بیان

جز ترجمہ زباں نہ کوئی ملا قدرداں مجھے — آنکھیں کسیکی کہتی ہیں جادو بیاں مجھے
آغوش میں بھی چاند سی صورت ضرور ہو — رفعت اگر ملی صفتِ آسماں مجھے

کیوں کر کہوں کہ چار نگاہیں ہوئیں کہیں | آدھی نگاہ نے تو کیا نیم جاں مجھے
جائے سخن زباں سے شعلہ بلند ہے | محفل میں ایک شمع ملی ہم زباں مجھے
گذرا میں اپنی جان سے کس کا برا کیا | کیوں خاک میں ملاتے ہیں اہلِ جہاں مجھے
آسی شہیدِ عشق ہوں مرا نہ جاننا | مر کر ملی ہے زندگیِ جاوداں مجھے

"تلقین نالہ"

بلبل نہیں ہوں جانِ نکہت ہوں اے نسیم! | ہے ایک غنچہ ساں قفس و آشیاں مجھے
گھبرا نہ نقشِ پا کی طرح باغِ دہر میں | جو چل گئی ہوا اُڑا لے گی بادِ خستہ داں مجھے
اے نقشِ پا! بتا رہِ رفتگاں کی! | تلقینِ نالہ اے جرسِ کارواں مجھے!
رخنے تھے دل میں صورتِ زنبور خوش نما | دمسازیوں نے تیری سکھائی فغاں مجھے
ھوموں نے ہجر کے تجھ سے کیوں رخ کم کیا | کیوں وصل میں ہو قیدِ زمان و مکاں مجھے
سینے میں دل اگر نہ ہو حرصِ نالہ کیوں | کیا بات کہہ گیا جرسِ کارواں مجھے
صبر و قرار و ہوش و خرد کس کو دے | پامال کر رہا ہے غمِ رفتگاں مجھے

لائی عدم سے لے بھی چلی جانبِ عدم
کیسی رفیقِ رہ ملی عمرِ رواں مجھے

رہگذرِ عشق

ملنے کی یہی راہ نہ ملنے کی یہی راہ — دنیا جسے کہتے ہیں عجب راہگذر ہے
عمر اپنی رواں ہے تو اقامت ہے سفر کو — سمجھے اگر انسان تو دن رات سفر ہے
انجام کی منزل ہو کڑی دیکھیے کیا ہو — دنیا میں جو آئے ہو یہ آغازِ سفر ہے
پہونچو گے اسی کوچے میں جس راہ سے جاؤ — جو راہ ہے اوس کوچے کی بےخوف و خطر ہے
لغزش ہوئی جب حضرت آدم سے بھی تو — آسی کو برا کیوں کہو وہ بھی تو بشر ہے

سرخوشِ فنا

وصل سے ہے سرخوشِ صہبائے فنا — پھر اگر کوئی ملے کیوں کر ملے
یہ بھی ملنا ہے کہ بعد از صد تلاش — حد ہم ڈھونڈنے سے باہر ملے
ملنے کے پہلے فنا ہونا ضرور — پھر فنا جو ہو گیا کیوں کر ملے
جلتے ہو اوس کو نفرت ہم سے ہے — ہم ہیں جب تک وہ ہمیں کیونکر ملے

آسی گریاں ملا محبوب سے
گل سے شبنم جس طرح رو کر ملے

محشرِ تمنا

قطرہ وہی کہ روکشِ دریا کہیں جسے　　یعنی وہی ہیں کیوں نہ ہوں تجھ سا کہیں جسے
وہ اک نگاہ ای دلِ مشتاق انتظار!　　آشوبگاہِ حشرِ تمنا کہیں جسے
بیمارِ غم کی چارہ گری کچھ ضرور ہے　　وہ دردِ دل میں دے کہ مسیحا کہیں جسے
اس ضعف میں تحمّلِ حرفِ صدا کہاں　　ہاں بات وہ کہوں کہ نہ کہنا کہیں جسے
وہ ایک ذرۂ خاکِ قدمِ ہمیشہ شوق!　　موسیِٔ نگاہِ مہرِ تجلّا کہیں جسے
پیمانۂ نگاہ سے آخر چھلک گیا　　سرجوشِ ذوقِ وصل ـ تمنا کہیں جسے

اسی جو گل سے گال کسی کی ہوئی تو کیا؟
معشوق وہ کہ سب سے نرالا کہیں جسے

صیدِ فنا

ہے صیدِ فنا جو ہدفِ تیرِ نظر ہے　　چھیدو مرے سینے کو نہ دل ہے نہ جگر ہے
شرم آتی ہے کہتے ہوئے عاشق ہوں کسی کا　　نالوں میں نہ تاثیر نہ آہوں میں اثر ہے
وہ تیغِ نگہ چمک اٹھی اور مرا سر　　ٹکڑے ہوئے دل کے وہی ٹوٹی سی سپر ہے

التجائے دید

غش نہ آجائے کہیں مانند موسیٰ دیکھئے ——— میری آنکھوں سے نہ اپنا آپ جلوا دیکھئے
کی نظر جسنے مرے باطن میں تو ظاہر ہوا ——— وہ بھی قطرہ ہے نہ جس قطرے میں دریا دیکھئے
آفتاب روئے لیلا جلوہ گر ذرہ میں ہے ——— چشم مجنوں سے جو موج ریگ صحرا دیکھئے
دل بنا ہر جزو تن ہر داغ دل کشتہ شوق ——— اپنی دید اپنے تصور کی تمنا دیکھئے
حسب استعداد طالب چاہئے فیض کرم ——— منہ ہمارا دیکھئے اور اپنا سا دیکھئے
خامشی اچھی نہیں اے خضر راہ مدعا ——— کچھ تو کہئے گر یہی کہئے کہ رستا دیکھئے
آپ ہی جو پردۂ افلاک میں چھپا تھا ——— ہم نے سینے میں چھپا رکھا وہ دریا دیکھئے
وہ نظر دے برق خرمن سوز پندار خودی ——— تو ہمیں میں ہو مگر تجھکو اکیلا دیکھئے
آپ ہی دیکھی نہیں جاتی تھی میری زندگی ——— لیجئے مرتا ہوں اب مرنا تو میرا دیکھئے
کیا پیالے چل رہا ہے دور صہبائے فنا ——— رنگ ذوق محفل امواج دریا دیکھئے

صحرائے تمنا

نور میں ظلمت میں سب میں ایک جلوہ دیکھئے ——— رنگت گل میں سب ان کا تماشا دیکھئے
جی میں ہے اپنے ہی جامہ میں وہ جلوا دیکھئے ——— وسعت بازار صحرائے تمنا دیکھئے

موسیٰ و جبریل کی بھی دنگ ہے دید و شنید دیکھنا سنئے ہمارا اور سننا دیکھئے
صورت نقش کف پا خاک میں ملنے کے بعد اپنے رستے میں مرا آنکھیں بچھانا دیکھئے
رات آسیؔ کہتے تھے اپنے سیہ خانہ کو گور جیتے جی مر جاتے ہیں عاشق تماشا دیکھئے

آسی بلنوش

شکر محرومی آب حیوان لب یار ہم سے درویش بھی ہم بخت سکندر نکلے
کھیل سمجھا ہے کچھ افشائے گرانباری عشق دیکھنا دود جگر منہ سے نہ باہر نکلے
طالب جان ہے دل آسیؔ شیدا دونوں بلبل گلشن رخسار حبیب سے نکلے
سنتے جاتے ہیں کہ غزل آسیؔ بلنوش کی ہے شعر جو نکلے وہ دامن کی طرح تر نکلے

عکس حسن

وہ چلے چال کہ پامال ہے سارا عالم جان تم بھی صفت چرخ ستمگر نکلے
آنسو نہیں یہ، پوچھو کہاں عکس گل حسن تیرا ڈھلکے گر کے جو مری آنکھوں سے مقرر نکلے
[illegible]
تو بھی یار کے پہلو میں ترا گھر نکلے

آفات فرقت

کلیجہ منھ کو آتا ہے شب فرقت جب آتی ہے
اکیلے منھ لپیٹے روتے روتے جان جاتی ہے
تڑپنا تلملانا لوٹنا سر پیٹنا رونا
شب فرقت اکیلی جان پر سو آفت آتی ہے
نہ نہر باغ پر ہے منحصر آنسی نہ شبنم پہ
خدائی میری حالت دیکھ کر آنسو بہاتی ہے

فلسفۂ ربوبیت

کہاں تم اکوئی بحر وجود میں ثانی
حباب دیدۂ اہل نظر میں ہے پانی
نہ فرق سوجھے اگر ظاہر و مظاہر میں
کسے کہے کوئی باقی کسے کہے فانی
اوسی کو دیکھتے ہیں جمع بلکہ جمع الجمع
جسے سمجھتے رہے مدتوں سے ثانی
ہوا جو رفع تعین تو جز بہار نہ تھا
یہ برگ و بار و گل و غنچۂ گلستانی
درخت پھل سے ہے پیدا تو پھر درخت میں پھل
یہ میری تیری ہے پیدائی و پنہانی
اگر یہ ہم ہیں تو کیا تیری ذات ہی محدود
اگر یہ تو ہے تو پھر کیا وجود امکانی

تجلی جب ہوئی وحدت میں کثرت عالم — تو کیوں نہ شریک قدم ہو ثبوت عیانی
زوال صورت اشیا ہے صورت ہمہ اوست — غرض کہ ہیچ دانی ہوئی ہمہ دانی
مآل سعی نگاہ کمال تحقیقات — نہ خاک کچھ نظر آیا بغیر حیرانی

نوید یاس

دل گرفتہ ہے اے دل نوید عریانی — کہ غیر چاک نہیں غنچہ کی گریبانی
بغیر منزل حیرت کہاں نظارۂ یار — نوید یاس ہوئی آئینے کی عریانی
ملا وہ کہ رزق رسانی کی شان کے صدقے — نہ اور کچھ ہو تو غم ہے غذائے روحانی
ظہور غم تو کچھ اسباب کا نہیں محتاج — بغیر چشم ہے شبنم کی اشک افشانی
نہ فور اشک سے ہیں ماوائے غم نہ دل ہوتا — جو ہوتی لازم سیلاب خانہ ویرانی
یہ زیر چرخ تماشائے جوشش یم غم — یہ ایک حباب ہے بحر بلا کی طغیانی

رباعیات

آرزوئے دل

یا تجھ کو ترا حسن نہ بھایا ہوتا — یا ہر رگ و پے میں تو سمایا ہوتا
یا دل ہی میں جلوہ گر اگر ہونا تھا — ہر جزوِ بدن کو دل بنایا ہوتا

حیات بعد الممات

پھر بادۂ تند عشق پینا ہوگا — پھر ٹکڑے جگر کے ساتھ سینا ہوگا
جینے نے یہاں کے مار ڈالا آسیؔ — سنتے ہیں کہ پھر حشر میں جینا ہوگا

ظاہر و مظاہر

باطن جسے ہم سمجھے وہ ظاہر نکلا — ظاہر بھی یہاں عین مظاہر نکلا
کیسے اغیار۔ غیر کہتے ہیں کسے — اغیار میں بھی یار ہی مضمر نکلا

شب گور

کیا جانئے تجھے بعد فنا کیا ہوگا — طول شب تار گور اتنا ہوگا
اب روز قیامت کی درازی کیسی — کیا رات بڑھیگی دن نہ چھوٹا ہوگا

طلب کامل

کامل جو ہوئی طلب تو کیا کیا نہ ملا — کیوں کوئی کہے کسی کو ڈھونڈا نہ ملا"
میں جاں کہ جو کوئی ڈھونڈھتا پہلو میں ملا — پر کوئی تجھے ڈھونڈھنے والا نہ ملا

صورت زیبی

معنی ہے یہ کیسی متصل کی صورت — اللہ اللہ آب و گل کی صورت!!
بے شبہ بسا دلوں میں ہے تماشائے گل — غنچے نے بنائی ہے جو دل کی صورت

شوق طلب

ہم بھی جو پھنسے تو اسکے جال میں شیدا کی طرح — رکنے کے نہیں جوش تمنا کی طرح
رہ جائیں اگر راہ طلب میں چل کے پاؤں — ہم سر سے چلیں آبلہ پا کی طرح

نقش کف پا

آوارہ نہ ہو غبار صحرا کی طرح　　بیٹھ ایک جگہ نقش کف پا کی طرح
سرگرداں ہو کے دیکھ برباد نہ ہو　　اندھا نہیں تو حباب دریا کی طرح

جام صہبا

صحرا کی خبر لیں مست سودا کی طرح　　کیوں گوشہ نشیں ہوں رند مینا کی طرح
کیوں صورت خم گاڑ کے رہ جائے پاؤں　　گردش میں مزا ہے جام صہبا کی طرح

فروتنی

عادت رکھنا فروتنی کی اے دل　　نخوت نہیں بھاتی ہے کسی کی اے دل
کھولی آنکھ حباب بحر سے تیرتا لے　　بے قدر ہے جس نے سرکشی کی اے دل

پیری

پیری میں نہ دانتوں کے لیے ہو مغموم　　ہو جائیں گے اب جمیع لطف سب معدوم
بالوں میں سپیدی آئی اب دانت کہاں　　جب صبح ہوئی تو پھر ستارے معلوم

تشائم الخیالی

نیکی کرتا ہوں میں بدوں سے بھی ہم پہونچے جو ستم کوئی تو سمجھوں میں کرم
آنکھیں قدموں تلے بچھاؤں آسی پامال اگر ہوں صورت نقش قدم

مردم دین

پہلو میں سما جاؤ کہ بس جاؤ تم دل میں مرے گھر کرو کہ ایمان ہو تم
پوچھو نہ کرو جو کچھ کیا بھید لیا آنکھوں میں چلے آؤ جو انسان ہو تم

منزل فنا

ہر طرح سراپا مدعا ہو کے رہوں نقش قدم و بانگ درا ہو کے رہوں
گڑ جاؤں زمیں میں اگر اے آسی میل رہ منزل فنا ہو کے رہوں

نالۂ درا

میل رہ منزل فنا ہو کے رہوں ہم نغمہ نالۂ درا ہو کے رہوں
پامال اگر ہوں صورت نقش قدم اس راہ میں تب بھی رہنما ہو کے رہوں

سازِ خودی

وہ ذکر کروں کہ خود فراموش ہوں میں — کوئی نہ سنے پہ ہمہ تن گوش ہوں میں
پائی ہے زبان نور کی شمع صفت — محفل میں اندھیرا ہو جو خاموش ہوں میں

خاموشی

کیا جانے کوئی کیا ہے دلِ قاتل میں — بہتر ہے کہ دل کی بات رکھو دل میں
سر صورتِ شمع بارِ گردن کیوں ہو — آسیؔ نہ زبان کھول اس محفل میں

نسبتِ حسن

صورت تری بھا گئی کہ سیرت دل کو — بے وجہ نہیں تیری محبت دل کو
نسبت ترے ساتھ کچھ نہ کچھ اسکو ہے — چھاتی سے لگائی ہے جو خلقت دل کو

سرِ تخلیقِ آدم

ہستی میں عدم سے کیا وہ لایا ہمکو — آرام سے سوتے تھے جگایا ہمکو
پھونکی نہیں روح قالبِ خاکی میں — درپردہ یہ پھر خاک میں ملایا ہمکو

دائرۂ فنا

کیوں نقطۂ موہوم بنایا ہمکو
کیوں دائرۂ فنا میں لایا ہمکو
وہ سہو نویس تھا نہ ہم حرف غلط
کیوں صفحۂ ہستی سے اوٹھایا ہمکو

مدتِ زیست

آنکھیں کھولیں نہ کچھ دکھایا ہمکو
دم بھر کے لئے یہاں وہ لایا ہمکو
ہرچند کہ سینے میں ہے دریا مواج
پر مثل حباب ہے بنایا ہمکو

نقشِ ہستی

ہمرنگ سراب ہے بنایا ہمکو
مانند حباب ہے بنایا ہمکو
ہرچند کہ شکل موج ہے دریا دل ہیں
پر نقش بر آب ہے بنایا ہمکو

اسرارِ خودی

[illegible]

نورِ الفت

تھوڑی سی محبت اپنی دل میں دیدو　　جو دل لے مجھے آب و گل میں دیدو
وہ جلوہ کہ جس سے غش ہوئے تھے موسیٰ　　وہ نور مری آنکھوں کے دل میں دیدو

خاکساری

ذرے سے جو دیکھنے میں کمتر ہونگے　　تیرے لئے وہ بھی مہر انور ہونگے
اے دل نہ برابری کسی کی کرنا　　ہاں خاک کے اک روز برابر ہونگے

شکایت روزگار

دل سے جو وفا کی گرمجوشی ہوگی　　میخوار رہے نہ مے فروشی ہوگی
امید شراب ناب کیا ہی ساقی!　　دور آخر ہے دُرد نوشی ہوگی

صدائے گور

باز آؤ دم عشق کے اب بھرنے سے　　آسی ڈرتے نہیں ہو تم مرنے سے
مجنوں کے لب گور سے آتی ہے صدا　　مرنا بہتر ہے عاشقی کرنے سے

رازِ ہستی

پردہ نہ کھلا قبائے گل کا کچھ بھی — کیا غنچے کے دل میں ہے نہ سوجھا کچھ بھی
گلشن میں یہ کسکے رنگ ہیں اے نرگس! — کس کام کی آنکھ جب نہ سوجھا کچھ بھی

پاک طینت

شبنم نہ ہو کیوں نظر میں پانی پانی — دانے کیلئے کرتے ہیں اشک افشانی
جو پاک گہر ہوتے ہیں، موتی کی طرح — رکھتے ہیں گرہ میں اپنے دانا پانی

انکسار

جھک کر چلنے کی وضع کیا بھاتی ہے — وجہ اسکی یہ مرے ذہن میں آتی ہے
بادام آنکھیں ہیں، پستہ منہ ٹھوڑی سیب — جو شاخ بہت پھلتی ہے جھک جاتی ہے

منصب ہدایت

جو چاہے کہ منصب ہدایت پائے — فرش رہ رہبران عالم ہو جائے
جب تک نہ ہو مثل جادۂ رستہ پامال — کسطرح کسی کو تا بہ منزل پہونچائے

ماسوا

جب تک کہ دل ہو مدعا سے خالی ہرگز نہ ریا صفت ہو ریا سے خالی
پانی پہ ابھی رواں ہو تو مثل حباب سینا جو ترا ہو ماسوا سے خالی

سفر در وطن

پستی ہی سے ہے بلندی میری ہے سیر ارم گوشہ نشینی میری
اٹھا کے فنا ہوں نقش پا کی مانند ہستی ہے مری خاک نشینی میری

تفرید و تجرید

ہے اہل جہان سے ایسی تجرید مجھے تجرید مین گویا کہ ہے تفرید مجھے
اونمین بھی نہین مین پیشوا ہون جنکا سب کے امام کی ہے تقلید مجھے

حد فنا

ہم عشق و وفا سے بیوفا تک پہونچے زائل جو ہوئی خودی خدا تک پہونچے
ہان عین وطن ہو جب سفر موج کی طرح کیونکر نہ کوئی حد فنا تک پہونچے

خلوت انجمن

چہرہ ہے کہ جان عالم وحدت ہے   جلوا ہے کہ برق خرمن کثرت ہے
محفل، بازار، یا کوئی میلا ہو   تم مجھکو جہاں ملو وہی خلوت ہے

انتہائے عشق

وحدت جسے کہتے ہو وہی کثرت ہے   کثرت جسے سمجھے ہو وہی وحدت ہے
واصل ہے نہ موصول نہ گنجائش وصل   محفل ہے نہ خلوت یہ عجب صحبت ہے

ہستی ما سوا

کیا نیستی ہست نما کی ہستی   دہوکے سے بہری ہے ما سوا کی ہستی
آسی اس دہوکے میں نہ آنا ہرگز   ہستی ہے اگر تو سب خدا کی ہستی

موتوا قبل ان تموتو

میت پر میری کوئی رو جاتا ہے   کوئی یہ کہکے ہوش کہو جاتا ہے
جاگو جاگو لگی سواری در پر   چلنے کو جو ہوتا ہے وہ سو جاتا ہے

ذلتِ عشق

بحرِ الفت کی راہ جو جاتا ہے — غیرتِ توقیر سب ڈبو جاتا ہے
پائی بھی جو آبرو تو موتی کی طرح — سوراخ جگر میں ایک ہو جاتا ہے

دخترِ رز

مئے بھرتی ہے میخانہ میں مٹکی مٹکی — زاہد عابد سے دور بھٹکی بھٹکی
زاہد سے ڈرے نہ محتسب کا فر — یہ دخترِ رز ہے جس سے اٹکی اٹکی

کنجِ عزلت

توقیر بغیر جستجو ملتی ہے — ذلت گردش میں چار سو ملتی ہے
موٹی سی یہ بات ہے کہ موتی کی طرح — کنجِ عزلت میں آبرو ملتی ہے

اضطرابِ سیماب

اے جوشِ جنوں کہیں نہ دم بھر ٹھہری — صحرا میں کبھی نہ اوسکے در پر ٹھہرے
پارے کی طرح ہے بیقراری اپنی — ٹھہرے بھی اگر کہیں تو مر کر ٹھہرے

رہ طلب

اک عمر رہ طلب میں چکر کھایا
آخر دل میں سراغ اوسکا پایا
دل میں دیکھا تو آئینے کی صورت
جز اپنے کوئی نظر نہ مجھکو آیا

فروتنی

کیا فائدہ بار سر کشی ڈہونے سے؟
کیا مثل حباب آبرو کھونے سے؟
آسی یہ فروتنی، وہ شے ہے کہ ہلال
بالائے فلک ہے سرنگوں ہونے سے

گرانباری غم

ہر چند کہ موت کا طلبگار ہوں میں
رنج و الم و غم سے گرانبار ہوں میں
پر زندگی اپنی کہہ چکا ہوں تجھکو
کس منہ سے کہوں زیست سے بیزار ہوں میں

سامان مراد

سرمایۂ ناز بے نیازی تیری
سامان مراد چارہ سازی تیری
دل سا ویران گھر بسایا تو نے
اللہ اللہ دل نوازی تیری!

صفحہ	نمبر شعر	شرح
۱	۳	مولانا روم نے لکھا ہے اندرون اولیا اولا گوید کہ ای اجزای لا ہین ز آفاقی اسیر بند بند این خیال و وہم سر بر می‌کنید
۴	۱۲	فشار لحدی۔ مردہ جسوقت قبر مین رکھا جاتا ہے اوس وقت قبر کی دیوارین چارون طرف سے اوس کو دبا جاتی ہین۔ اسی حالت کو فشار لحدی کہتے ہیں
۵	۱	سجن مومن۔ کہا ہے از حدیث الدنیا سجن المومن و جنت الکافر
۵	۳	مرد افگن۔ جو بڑے بڑے کو گرا دے۔ تسلی شراب تلخ دہ ساقی کہ مرد افگن بود زورش کہ تا یکدم بیاسایم ز دنیا و شر و شورش (حافظ)
۸	۱	ما اختلاط جو سہہا تا [illegible] را تا نگو جسوقت تک ہم کھانے سے آسودہ نہیں ہوتے اوسوقت تک خود اوس فعل مین ایک مسرت اور حظ محسوس ہوتا ہے کیونکہ اوسوقت ہر لقمہ کھانے کی خواہش کو کم کرتا جاتا ہے لیکن جب ہم آسودہ ہو جاتے

صفحہ	نمبر شعر	
		ہارتی تو پھر خط بھی معدوم ہو جاتا ہے"
۸	۵	آسی نے فلسفۂ وجود کے ایک بہت بڑے معرکۃ الآرا
		مسئلہ کا انکشاف فرمایا ہے۔
		گردش زمانہ بعض نفوس کیلئے باعث ہلاکت ثابت
		ہوتی ہے اور اوس وقت اور اوسی لمحہ میں وہی اسباب
		دوسروں کیلئے وجہ زندگی ثابت ہوتی ہیں۔ دن کا وجود
		ستاروں کو انسانی آنکھوں کیلئے فنا کر دیتا ہے لیکن ذرات
		کیلئے دن کی روشنی وجہ ہلاکت نہیں۔
۱۱	۴	آیہ کریمہ "لولاک لما خلقت الافلاک" کی جانب اشارہ ہے
۱۵	۶	بیت۔ تجلی شاہد معنی را گویند کہ ہر صنعت ما وراء صفتی
		دیگر بر دل سالک ظاہر شود و نیز کنایہ از مطلوب
		و مقصود نیز عبارت از مظہر ہستی مطلق است کہ
		آن حق بود پس این من حیث الحقیقت حق باشد
		باطل و عبث نیست و بت پرست را کہ حق
		پرست گویند۔ (سید جلال)

صفحہ	نمبر شعر	شرح
۲۰	۴	مثلے است کہ الجنس الی الجنس میل بہر دل بروں من صورت انسان دارتی
۲۲	۶	حیرت ۔ عالم جبروت سے عالم لاہوت کا راستہ (دوری) تحیر ہی سے ہے۔
۲۵	۱۱	کل یوم ہو فی شان" یعنی ہر روز ہر وقت او در ساختن و پرداختن کار است۔ داعی را دعا اجابت کند و سائل را عطا دہد و در ماندہ را نجات بخشد و غمگین را شادان کند و بیمار را صحت سازد (حاجی امداد اللہ)
۳۶	۳	واعظ ــہ کی فرشتوں کی راہ ابر نہیں جو گنہ کیجئے تو ثواب ہے آج
۴۳	۹	غالب سے مجھے مت کہہ تو مجھے کہتا تھا اپنی زندگی زندگی سے بھی مرا جی اندنوں بیزار ہے

صفحہ	نمبر شعر	شرح
		جگر کھرکا تو نے جو پایا ان دنوں نہ پایا تو کیا جگر کو کبھی تو نہیں سہتے پائداری ناپائی
		ذوق — تو ہماری زندگی پر تو زندگی کی گیا امید تو ہماری بات لیکن کیا جو روسیا جہاں کی
		گمنام — جگر تصویر ستم وفا نہ جہاں پر شکار جگر ہی اپنی کو وفا نکرے
۴۶	۴	قرۃ العین — گر کشید دامن تو از دست کہ بستید پاؤں ای تو بہار عالم دیگری ز کجا باین چمن آمدی
۵۰	۱	ناسخ — تین تری نیند وہ دو آنکھیں ہری اب الہ آباد کم پچھتا سہے

Date	No.	Date	No.